نصیحت نامہ نمبر ۵

بنام مولوی ثناء اللہ

متعلق اتباع سلف

(اس سے پہلے چار نمبر جلد ۲۰ و ۲۱ مین شایع ہوئے ہین جو ملاحظہ ناظرین کے لائق ہین)

۳۴

بٹالہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

مطابق ۷ محرم سنہ ۱۳۲۸ھ

عزیزم مولوی ثناء اللہ وفقہ اللہ لاتباع سید الانبیاء والسلف الصلحاء

اہل سنت والجماعت خصوصاً اہلحدیث بلا اختلاف اعتقاد رکھتے چلے آئے ہین

(۱) جو کچھ آنحضرت صلعم نے دین مین ارشاد فرمایا ہے۔ خواہ متعلق احکام ہو یا متعلق قصص و اخبار: تفسیر قرآن وغیرہ وہ واجب العمل و القبول ہے۔

(۲) جس امر کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد کچھ نہ ملے اس مین جماعت صحابہ کے اقوال کی جنکا خلاف ان سے منقول نہو پیروی کیجاوے۔ ان کے بعد ویسے ہی تابعین کے اقوال و آثار کی غرض ان کے نزدیک سنت کے بعد قرون ثلاثہ کا عام قرار داد بھی ویسا ہی لائق تمسک ہے۔ جیسا کہ سنت سنیہ کا ان ہی دو تمسکات سے تمسک کرنیکی نظر سے وہ اہل سنت والجماعت کہلاتے ہین اور ان ہی تمسکات سے انکے تمسک کرنیکو آنحضرت صلعم نے انکے ناجی ہونے کی علامت ٹھہرایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے ناجی فرقہ وہ ہی جو اس طریق پر ہو جسپر مین اور میرے صحابہ ہین ما انا علیہ و اصحابی جسمین ما انا علیہ سے سنت مراد ہے اور اصحابی سے جماعت صحابہ مگر افسوس صد افسوس ہزار افسوس ان دونوں مسلمہ اصول اہلسنت والجماعت کے برخلاف تمہارا ایک رسالہ (جسکا نام و عنوان تو اتباع سلف ہے اور مضمون و معنویہ ہے۔ کہ اقوال و آثار سلف کا جو ان کے

* قیل و من ہم یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی (مشکوٰۃ ص ۲۲)

فہم و درایت پر مبنی ہوں اتباع نہ کیا جاوے ولہذا وہ تمام بلا تفاوت سر ہوئے اس مصرعہ کا مصداق ہے ؎ بر عکس نہند نام زنگی کافور) ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو مینے اول سے آخر تک پڑھا جس میں ان دونوں اصول دستور العمل و معیار اہل سنت کے برخلاف یہ دو اصول مستحدثہ پائے (۱) آنحضرت صلعم کی بعض احادیث صحیحہ (باوجود علم و تسلیم صحت) قرآن مجید کی تفسیر و تعیین مراد آیت میں واجب القبول نہیں (۲) سلف صالحین صحابہ و تابعین وغیرہ اہل قرون ثلاثہ کی کسی قول یا فعل کی جو انکے فہم و درایت پر مبنی ہو۔ نہ نقل و روایت پر تقلید جائز نہیں تمہارا ان اصول مسلمہ اہل سنت کے برخلاف ان اصول مستحدثہ کا اس رسالہ میں بیان و اظہار کوئی نئی بات اور محل تعجب نہیں۔ بلکہ لیست باول قارورۃ کسرت فی الاسلام کا مصداق ہے یہ اصول مستحدثہ پہلے گمراہوں (معتزلہ وغیرہ) سے بھی منقول ہیں اور تمہاری تفسیر عربی اور رسایل (آیات متشابہات و اصول و تفسیر و ترک اسلام و کلام المبین) کی بنا انہی اصول مستحدثہ پر ہے نئی بات اور محل تعجب تو ۳۰ نفر علماء ساکنین وزیر آباد آرہ۔ غازی پور۔ رامپور۔ گیلانی ضلع مونگیر دیکا ضلع بیلی بہت۔ لکھنو کے ضلع فیروزپور ملتان جالندھر ضلع مونگیر حیدر آباد دکن قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ اور دہلی اوسان گوماں ضلع بستی پھلواری اٹاوہ علیگڈھ بنارس کلکتہ۔ کی ہے جن میں گو اکثر بڑے نام علماء ہیں خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے تمہارے رسالہ کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دیئے ہیں اور بعض کو تو ایسے الفاظ نہیں ملے جن سے وہ اس کی تعریف کر سکتے۔ بعض انمیں واقعی بظاہر علماء و فضلاء و مدرس کتب معقول و منقول بھی ہیں خصوصاً منصفین فیصلہ آرہ) اس رسالہ کے متعلق تحریرات و تقریظات ہیں جن میں وہ جملہ مضامین رسالہ کے تصدیق کر چکے ہیں۔ اور باوجودیکہ ہمارے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ و ۲۱ میں تمہارے ان اصول مستحدثہ کا مفصل و مدلل رد ہو چکا ہے۔ اور وہ رد ان کے ملاحظہ سے گذر چکا ہے۔ اور اس رسالہ میں تمنے انہیں اصول مستحدثہ کو اختیار کر کے انکے بیان و ثبوت پر (بزعم خود) زور دیا ہے ان حضرات نے ان اصول مستحدثہ کا

کچھ بھی خیال نہ کیا اور صرف اسوجہ سے کہ اس رسالہ کے سطاوی بیان مین رد تقلید پایا جاتا ہے جس کے سننے سے انکو مزہ آتا ہے۔ اسکو تصدیق کر دیا اور یہ نہ سمجھا کہ ہم نے اس رسالہ کی مجمل و عام تصدیق سے ان دونوں اصول مسلمہ اہل سنت والجماعت واہل حدیث کی بیخ و بنیاد کو کاٹ دیا ہے۔ و از آنجا کہ احیاء سنت و حمائیت اہل سنت و ابطال باطل و دمغ اہل بدعت ایڈوکیٹ اہلحدیث (خاکسار) ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کا سپیشلی فرض و منصب ہے۔ لہذا وہ اس رسالہ کا کراس ایگزمنیشن (سوالات جرح سے امتحان) کر کے عموماً اہلحدیث اور خصوصاً ان علما اہل تقریظات کو جو اس عاجز سے بلا واسطہ یا بالواسطہ نسبت تلمذ یا عقیدت و محبت رکھتے ہیں ثابت کر دکھاتا ہے۔ کہ اس رسالہ میں ان دونوں اصول اہل سنت واہلحدیث کا خلاف کیا گیا ہے۔ اور وہ رسالہ اس لائق نہ تھا کہ کوئی ایک بھی اہلسنت اہلحدیث اس رسالہ کی تصدیق کرتا ہمارے اس مضمون کو پڑھکر امید ہے کہ وہ لوگ جو دہوکہ مین آکر اور تمہارے مغالطہ آمیز اصول کو نہ سمجھنے کیوجہ سے تمہاری تائید و تصدیق میں تقریظات لکھ چکے ہیں وہ اپنی تقریظات کو واپس لینگے اور جو لوگ تمہارے اصول مستحدثہ کو بمقابل اصول اہلسنت صحیح سمجھکر انکی تصدیق کر چکے ہیں وہ حکماً او بضابطہ اہل سنت واہلحدیث کی جماعت سے خارج کئے جائینگے جیسے تم خارج کئے گئے ہو کائناً من کان وحیث ما کان فی الفنجاب او الہندوستان پس سنو اور خوب کان کھولکر سنو کہ جو کچھ تمنے فصل اول رسالہ میں کہا ہے وہ کلمۃ حق ارید بہا الباطل کا مصداق ہے۔ یہ مسئلہ بلا شک و شبہ اختلاف مسلم اہلسنت واہلحدیث ہے کہ حاکم حقیقی اللہ تعالے ہی ہے۔ اور رسول مقبول بھی خدا تعالے کے حاکم بنانے سے حاکم تسلیم کئے گئے ہیں وہ بھی بذات خود یا بالاستقلال حاکم نہیں ہیں۔ و لہذا بوقت نزاع و اختلاف اہل اسلام اللہ تعالے اور اسکے رسول کیطرف انکا رجوع واجب ہے مگر تمہاری مراد اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوتی ہے جسکو خاکسار کہن سال تجربہ کار تاڑ گیا ہے۔ اور ۳۰ نفر اہل تقریظ سے کوئی ایک بھی نہیں سمجھا، کہ اقوال صحابہ و تابعین وغیرہ سلف صالحین اہل قرون ثلاثہ جنکا خلاف ان سے مروی نہ ہو بلکہ صرف پیچھے

متبدعین معتزلہ وغیرہ نے انکا خلاف کیا ہو لایق تقلید و دستاویز نہین ہین (اگر انکا کوئی مستند معلوم نہ ہو) اقوال متبدعین متاخرین انکا معارضہ کر سکتے ہین مثلاً ایکطرف اقوال صدیق اکبر و فاروق اعظم ہون جن مین کوئی صحابی انکا مخالف نہو اور ان کے مقابلہ مین دوسری طرف اقوال جبائی اور ابو مسلم جاحظ معتزلی ہون اور کسی کے قول کا مستند کتاب و سنت سے معلوم نہ ہو تو اقوال ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قول جبائی و جاحظ پہ کوئی ترجیح نہین ہے۔ اور انکی تقلید جایز نہین اگر اقوال جبائی و جاحظ کی کوئی وجہ معلوم ہو۔ پس اگر واقعی اس مسئلہ کے بیان سے تمہاری یہی مراد ہے۔ تو یہ مراد باطل ہے۔ اور قرار داد اہل سنت وجماعت کے مخالف ہے۔ اس کی بطلان پر وہی ادلہ شاہد ہین جو تمہارے رسالہ کی فصل دوم مین منقول ہین اس کی تفصیل فصل دوم کے اگزیمنیشن (امتحان) مین ہوتی ہے ؁

فصل دوم مین تمنے اتباع سلف صالحین کی تعریف مین چند احادیث نقل کی ہین از انجملہ ہمارے تعرض کے لائق دو ہین ایک وہ حدیث نبوی ہے۔ جس مین

قال رسول اللہ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ؎ متفق علیہ

عن ابن مسعود من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ اولئك اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا و اعمقہا علما و اقلہا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ و لاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلہم و اتبعوھم علی اثرھم و تمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم و سیرھم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم (مشکوۃ ص ۳۰)

آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان ہوا ہے کہ بہترین زمانہ کے لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہین۔ پھر جو انکے قریب آئینگے پھر جو ان کے قریب ہونگے دوسری حدیث ابن مسعود رض ہے جسکا ترجمہ تمہارے ہی الفاظ سے نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رض صحابی کا قول ہے۔ کہ جو کوئی کسی کی پیروی کرنا چاہے۔ وہ مرے ہوؤن کی کرے کیونکہ زندون کے حق مین فتنہ کا خوف ہے۔ وہ (جنکی پیروی کا حکم ہے) اصحاب رسول اللہ صلعم ہین جو اس امت

ہیں افضل ہو۔ نیکدل بڑے گہرے علم والے اور کم تکلف والے خدا نے انکو اپنے نبی کی صحبت کیلئے چنا تھا۔ اور اپنے دین کے قائم کرنے کی توفیق دی ہی۔ پس تم لوگ انکی بزرگی پہچانو اور انکے نقش قدم پر چلو اور انکی عادات و اخلاق سے جس قدر طاقت رکھتے ہو تمسک کرو کیونکہ وہ سیدہی راہ پر تھے۔

اس ترجمہ کے بعد تم لکھتے ہو کہ اس مضمون کی روایات کثرت سے ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں جن میں اصحاب رسول اللہ کے اتباع و پیروی کی تاکید ہے ہاں یہ امر ہنوز تنقیح طلب ہے۔ کہ اتباع و پیروی کا کیا مطلب ہے۔ پھر کہا ہے اس سوال کا جواب اس سے عمدہ کیا ہو سکتا ہے۔ جو قرآن مجید میں خدا تعالے نے خود بتلادی پھر آیت والذین اتبعوھم باحسان اور اسکا ترجمہ نقل کر کے تمنے کہا ہے۔ کہ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ سلف صالحین کی پیروی جو خلف پر لازم ہے۔ وہ اخلاص و وفاداری میں ہے جزئیات میں نہیں پھر کہا ہے اس دعوے کی مزید توضیح ہمکو اس وقت ملتی ہے۔ جب ہم محدثین اور اصولیین کا یہ قول دیکھتے ہیں قول الصحابی لیس بحجۃ مزید تشریح اسکی آیندہ فصل میں آتی ہے۔ اس فصل دوم کے متعلق ہم صرف اسقدر اگزیمنیشن (امتحان) کرنا چاہتے ہیں کہ جو اس فصل میں منقولہ احادیث و آیات و اثر ابن مسعود رض سے اور جو اس قسم کی اور اس مضمون کی روایات کثیرہ میں اتباع و پیروی اصحاب رسول مقبول کی تاکید کا پایا جانا تمنے تسلیم کیا و آنا نجملہ بعض احادیث کو ہمنے حاشیہ* میں نقل کیا ہے ان سب کیا اسی قدر ثابت ہوتا ہے۔ کہ صحاب نبوی کی پیروی رکھے اخلاص و فاداری

* عن حذیفة قال قال رسول اللہ صلعم لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رواه الترمذی مشکوة صفحہ ۵۲۲

حذیفہ رض نے کہا ہے کہ آنحضرت ص نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کس قدر تم لوگوں میں رہوں گا۔ (میں فوت ہو جاؤں) تو ان دونوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد مقتدا ہونگے یعنی ابو بکر و عمر۔

بقیہ حاشیہ

عن جبیر بن مطعم قال اتت النبی صلعم امرأة فکلمته فی شیء فامرها ان ترجع الیه قالت یا رسول اللہ ان جئت ولم اجدک کانها ترید الموت قال فان لم تجدنی فأتی ابا بکر. متفق علیہ (مشکوة صفحہ ۵۵۲) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبه. رواه الترمذی مشکوة صفحہ ۵۴۹

جبیر بن مطعم رض سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت کے پاس آئی اور اسنے کسی (دینی) امر میں آنحضرت سے کچھ عرض کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ پھر آنا اسنے کہا کہ اگر میں آؤں اور آپکو نہ پاؤں یعنے آپ فوت ہو جاویں۔ تو آپنے فرمایا کہ پھر ابو بکر کے پاس آنا یعنے اسکو فرمودہ یا حکم کو میرا حکم سمجھنا حضرت نے فرمایا خدا تعالے نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر لگا دیا۔ یا جاری کیا ہے +

میں کی جاوے جزئیات میں نہ کی جاوے (۲) کیا آیت والذین اتبعواھم باحسان
کا شان نزول اور مقصود اور سیاق وسباق اسی سوال کا جواب دینا تھا (۳) اور کیا
یہ آیت ان جملہ احادیث وآثار کی جن میں بعض یقیناً نزول آیت کے بعد فرمائی گئی ہیں.
پیشگی تفسیر کرنے کو نازل ہوئی تھی (۴) اور کیا یہ آیت اپنے معنے مراد خداوندی میں
ایسی مفسر ومفصل ہے کہ وہ ان احادیث وآثار میں وارد شدہ اتباع کی تفسیر و
تبیین وتعیین مراد کرسکے اور اسکے یہی معنے مراد خداوندی ہیں جو تمنے بیان
کیٔے ہیں (۵) اور کیا اس آیت کے بیان مراد میں مفسرین صحابہ وغیرہ کا اختلاف
نہیں ہوا۔ سبھی مفسرین صحابہ وتابعین نے اس کے یہی معنے بیان کیٔے ہیں*

* موجودہ تفاسیر متداولہ میں سے اس آیت کی تفسیر میں جلالین اور تفسیر رحمانی میں خاص
یا احسان کے ساتھ پیروی صحابۂ کا مراد ہونا بیان ہوا ہے۔ نہ اخلاق واحسان میں پیروی
کا مراد ہونا۔ جلالین کے یہ الفاظ ہیں والذین اتبعوھم الی یوم القیامۃ باحسان فی العمل۔
اور تفسیر رحمانی کے یہ الفاظ ہیں والذین اتبعوھم ای سلک سبیلھم بشرطہ اقتراھم
باحسان وھی عبادۃ ربھم کانھم یرونہ۔ ان دونو عبارتوں میں احسان کو شرط
عمل ٹھہرایا ہے۔ نہ وہ چیز جس میں پیروی کا حکم ہے۔ وہ چیز تو عمل ہے جو ہر عمل
نیک کو شامل ہے۔ چنانچہ دوسرے مفسرین نے کہا ہے تفسیر معالم

* قیل ھم بقیۃ المھاجرین والانصار
سوی السابقین الاولین قیل ھم الذین
سلکوا سبیلھم فی الایمان والھجرۃ و
النصرۃ الی یوم القیمۃ قال عطاء ھم
الذین یذکرون المھاجرین والانصار
بالترحم والدعاء وقال محمد بن کعب القرظی
والذین اتبعوھم باحسان شرط فی التابعین
شریطۃ وھی ان یتبعوھم فی افعالھم

وتفسیر کبیر وفتح البیان
وغیرہ میں جملہ افعال واعمال
حسنہ صحابہ میں پیروی کا مراد ہونا بیان
کیا گیا ہے۔ اور ایک معنے یہ بھی بیان ہوٗے
ہیں کہ پچھلے پہلے مہاجرین وانصار کو دعا
وترحم سے یاد کرتے ہیں۔ معالم میں کہا ہے
اس آیت میں تابعین پر یہ شرط لگادی ہے کہ وہ صحابہ
کے افعال حسنہ نہ برائیوں میں پیروی کریں
ایسا ہی دوسری تفسیروں میں کہا ہے۔ ان
تفسیروں میں جو افعالہم الحسنۃ کا لفظ وارد ہے جزئیات کو شامل ہے یا نہیں۔

جو تمنے بیان کیے ہیں۔ (۶) اور کیا مصنف رسالہ اور اسکے مصدقین ومقرظین سے کسی کے خیال میں ان پہلے پانچوں سوال سے کوئی سوال نہیں گذرا۔ اگر نہیں گذرا تو پھر ایسے جھوٹی تمہاری تحریروں وتصدیقوں وتقریظوں کا اعتبار ہی کیا ہے۔ اور تمہاری اس فہم اور اس علمی لیاقت پر تمہارا کیا منصب ہے کہ تم منصف ومفتی بن بیٹھو یا کسی فتوے کی تصدیق میں قلم اٹھاؤ۔

اور اگر یہ سب سوالات یا انمیں کوئی ایک ہی تمہارے خیال میں گذرا ہے۔ (چنانچہ ایک ثالث ثلثہ منصفین فیصلہ آرہ کے (جس کی تقریظ وتصدیق رسالہ میں ساتویں نمبر پر بصفحہ (۵ و د منقول ہے) خیال میں چوتھا سوال گذرا۔ اور اسنے صفحہ (د) رسالہ میں کہا ہے۔ "اتباع سلف فی الاخلاص نہایت گول لفظ ہے۔ اسکی توضیح کی ضرورت ہے"! تو پھر تمہاری دیانت وامانت وخدا ترسی وحق گوئی سے کیا باقی رہا کہ جس بات کو بسبب مورد سوال ہونے کے تم لوگ قطعاً صحیح ومثبت مدعا نہ سمجھے تھے۔ اور اس کو بیان معنے مراد اتباع وپیروی صحابہ میں فیصلہ کن ناطق نہ جانتے تھے اسکی صحت کا دعوے تم میں سے نوجوان نوآموز لڑکے کی قلم سے نکلا اور باقی ۳۰ نفر مے جنمیں بعض کہن سال آزمودہ کار علما اہل فتاہی تھے بے سوچے بے سمجھے عام طور پر اسکو تصدیق کردیا۔ ایسے منصف اور ایسے مصدق انصاف سے کہو۔ اور کچھ تو علم وفہم وشرم سے کام لو اور بتاؤ کہ کس تفسیر میں اخلاص یا احسان کو ما فیہ الاتباع یعنی وہ چیز جس میں پیروی کی جاوے مراد ٹھہرایا ہے۔ یا جزئیات میں پیروی کی نفی کی ہے۔ اور تمہارا یہ اجتہاد اسلامی اجتہاد ہے یا معتزلانہ الحاد کیا اسی اجتہاد یا الحاد پر تم کو ناز ہے اور کیا تمہارے مقرظین تمہاری اسی علم وفہم ووسعت نظر اور دقت فہم کی تعریفیں کرتے ہیں وہ خدا سے نہیں تو علمی دنیا سے بھی شرم نہیں کرتے۔

الحسنۃ دون السیئۃ (بمعالم مختصر گ صفحہ ۴۱۹ ومثلہ او نحوہ فی التفسیر الکبیر صفحہ ۷۲۲ جلد ۴ فتح البیان صفحہ ۲۹۶ جلد ۱۔ بیضاوی ط ۳۲۶ ق غ)

اسلامی سلطنت میں ہوں تو لائق عزل و تعزیر ہیں یا وہ اس لائق ہیں۔ کہ انکے فتوے و تصدیق کو کوئی اہل علم و دیانت عزت کی نگاہ سے دیکھے اور ان کو علماء دین و مفتیان شرع متین سے شمار کرے۔

یہ ساتوں سوال پہلے تو اے میرے روحانی فرزند! تم پر ہیں پھر تمہارے ۳۰ مصدقین پر کہ انہیں بھی بعض میرے بلا واسطہ یا بالواسطہ روحانی فرزند (شاگرد) ہیں۔ اگر کسی نے تم میں سے میرے سوالوں کے فوراً جواب دیکر ثابت کر دیا کہ جس اتباع و پیروی صحابہ رضہ کی احادیث مذکورہ بالا میں تاکید ہے۔ اس سے مراد ان کے جزئیات اعمال و اقوال میں پیروی نہیں ہے۔ تو میں تسلیم کرلوں گا کہ اب میرا فہم و ادراک درست نہیں رہا اور میں واقعی* پنشن پانے کے لائق ہو گیا ہوں۔ جیسا کہ تمنے دو دفعہ پہلے اور تیسری دفعہ اب اپنے اخبار نام کے اہلحدیث میں لکھا ہی اور تمہارے حامیوں اور مصدقوں نے اسپر سکوت اختیار کرکے اسکو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ کسی نے بھی تمکو نہ اس اخبار کے ذریعہ متنبہ کیا اور نہ پرائیوٹلی لکھا ہوگا کہ تمہارا اپنے روحانی باپ کے حق میں ایسا لکھنا مناسب نہ تھا۔ اس صورت میں ہمیشہ کے لیے تمکو میری طرف سے نجات و خلاصی ہو جائیگی۔ میں پنشن یاب ہو کر خانہ نشین ہو جاؤنگا اور کبھی تمہارے خطاب میں قلم نہ اٹھاؤنگا۔ بلکہ خدا سے ڈر کر قلم کو توڑ کر خلوت نشین ہو جاؤنگا گو میرے حریف تمہاری مستقد ہمپر یہ شعر پڑھیں ؎

زاہد نداشت تاب وصال پری رخاں ٭ کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

اور اگر کسی سے بھی میرے ان سوالات کا جواب بن نہ پڑا اور یہ ثابت نہ ہو سکا کہ اس اتباع سے جزئیات میں پیروی مراد نہیں تو پھر تمکو ماننا پڑیگا (تم مانوگے تو اور لوگوں کو یقین ہوگا) کہ فرقہ اہلحدیث میں پنجاب و ہندوستان۔ بنگال۔ ترہت ممالک متوسط وغیرہ میں تمہاری مغالطات کو سمجھنے والا اور تمہارے جیسے گمراہوں صرف ایک یہی خاکسار کہن سال ہے اگر اسکے لیئے قوم نے پنشن تجویز کر کے

* اخبار اہلحدیث ۲۸۔ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء مطابق ۱۶ محرم سنہ ۲۸ھ ملاحظہ ہو۔

اسکو دینی خدمات سے سبکدوش کردیا تو پھر علماء اہلحدیث کی غلطیاں نکالنے والا اور انکو حق صراح کرنے والا کون ہوگا۔ اور کہاں سے آویگا۔

دوم اس صورت میں بجاے پنشن دینے کے اس کی تنخواہ (چندہ اشاعۃ السنہ) میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اور نیز اس صورت میں انجمن اہلحدیث کے بعض بے علم و بے خبر ممبروں کو (جو آریوں وعیسایوں میں تمہارے تمسخر آمیز مباحثہ کو دیکھ کر یا سُنکر تمہاری محبت میں مفتون اور غلو کے ساتھ تمہارے معتقد ہو رہے ہیں) تمہاری نسبت دین میں اعتقاد علم و فہم چھوڑنا پڑے گا۔ اور بعض حضرات اہلحدیث امرتسر کو جو کچھ بوجہ پیرانہ سالی کے غیر مستقیم الحواس و قلیل الفہم و الادراک ہو رہے ہیں۔ اور کچھ منصفین فیصلہ آرہ کی نافہمی کا شکار ہو کر ایسے فیصلہ کی دست آویز سے تمکو اہلحدیث سمجھ رہے ہیں۔ تمہاری نسبت اہلحدیث ہونے کا اور منصفین آرہ کی نسبت علم و فہم و لائق افتا ہونے کا اعتقا چھوڑنا پڑے گا۔ اور شعر فارسی وعربی منقولہ ذیل کا یقین کرنا ؎

گر ہمیں مکتب ست و ایں ملاّ ٭ کار طفلاں تمام خواہد شد ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم ٭ سیہدیہم طریق الھالکینا ٭

اور انکو ظاہری لفظی و کتابی علم کو اس مثل کا مصداق ٹھہرانا ہوگا ؎

یک من علم را دہ من عقل باید۔ ہمارے اس الزام مستوجب افحام کو پڑھکر تم یا تمہارا کوئی حمایتی منجملہ ان ۳۰ اشخاص کے یہ کہے کہ تمہارے اس دعوے کا کہ جزئیات میں پیروی اتباع صحابہ کا مراد ہونا اس فصل دوم سے اور اس آیت واتبعوھم باحسان سے ثابت نہیں ہوتا اسکا ثبوت فصل سوم میں آئیگا۔ تو اسکے جواب میں کہا جاوے گا کہ اس صورت میں تمہارا فرض تھا کہ تم اقرار کرتے کہ فصل دوم اسکے ثبوت سے بالکل قاصر ہے۔ اس آیت واتبعوھم باحسان سے جزئیات میں پیروی کا مراد ہونا ثابت نہیں ہوتا تمنے ایسا نہیں کیا اور تمام مضمون رسالہ کو تصدیق کر دیا تو اس تمہارے علم و فہم

یا دیانت کو ضرور بٹہ لگ گیا۔ اب ہم فصل سوم کا اگزیمینیشن (امتحان) کرتے ہیں اور اس فصل کا بھی تمہارے اثبات مدعا سے قاصر ہونا اور تمہارے دعوے کا ناتمام ہونا کس و ناکس پر ظاہر کر دکھاتے ہیں۔ باللہ التوفیق۔

فصل سوم میں تمنے عجیب چال بازی دہوکہ دہی کی ہے اور اس سے اپنے جملہ مقسرظین و مصدیقین کی آنکھوں میں خاک و دہول ڈالکران کو روز روشن میں اندھا بنا دیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو تمہاری دہوکہ بازی نظر نہیں آئی۔ ان دہوکہ بازیوں کی تفصیل ہم نمبردار کرتے ہیں۔

نمبر اول سب سے پہلے تمنے تقلید و اتباع کی تعریف ابو عبداللہ مالکی سے نقل کرکے کہا ہے کہ بے دلیل بات کو ماننے کا نام تقلید ہے (جو ممنوع ہے) اور دلیل سے کسی کی بات مان لینا اتباع ہے (جو جائز ہے)

پھر تمنے کہا ہے کہ جب تک تقلید کا مفہوم منقہ (ہا رہوز سے شاید اس سے مراد منقح بجا رحطی سی ہو) نہو پوری وصاحت نہیں ہوسکتی اسلیے ہم اسکی تفصیل تمثیلات سے کرتے ہیں۔ پھر فیصلہ مقدمات عدالت کی مثال ذکر کرکے تمنے کہا ہے کہ جو انمیں واقعات کا بیان ہوتا ہے اسکو روایت کہتے ہیں اور جو اس بیان واقعات سے نتیجہ نکالکر حاکم عدالت فیصلہ کردیتا ہے اس کو درایت کہتے ہیں۔ روایت اور بیان واقعہ کو محکمہ اپیل میں بھی واجب التسلیم سمجھا جاتا ہے۔ اور درایت حکام و فیصلہ عدالت کا اپیل میں رد کیا جاتا ہے۔ پھر اسکی شرعی تمثیل میں چند روایات حدیث کو اور جو انسے بطور فیصلہ درایت کی گئی ہے اسکو کتاب صحیح بخاری سے نقل کرکے تمنے کہا ہے کہ حنفی علمانے ان روایات کو تو تسلیم کرلیا ہے۔ مگر ان فیصلجات کو جو امام بخاری نے اپنی درایت کی ساتھ ان روایات سے نکالے ہیں صحیح تسلیم نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ روایت و درایت میں فرق ہے روایت تو معتبر ہوتی ہے مگر درایت معتبر نہیں ہوتی۔ اس تمثیل سے تمنے یہ جتایا ہے کہ روایت میں پیروی جائز ہے۔ جسکو اتباع کہتے ہیں۔ درایت میں جائز نہیں

جو تقلید کہلاتی ہے۔

نمبر دوم۔ روایت و درایت میں فرق مذکور بیان کرنے کے بعد تمنے کہا ہے۔ کہ اسی لئے محدثین کا عام اصول ہے کہ موقوف حدیث حجت نہیں ہے۔ اور امام شافعی کا قول مشہور ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی کی تقلید نہ کی جاوے

نمبر سوم۔ پہلے تمنے کہا ہے کہ حافظ ابن القیم اتباع سلف میں بڑے متشدد تھے اور حق یہ ہے کہ ہونا ہی چاہیئے۔ حافظ موصوف نے اعلام الموقعین میں چھیالیس دلیلیں وجوب اتباع کی دی ہیں۔ مگر **زاد المعاد** میں حضرت عمرؓ کے فیصلوں پر ہنسی اڑاتے ہیں پھر اسکی تفصیل و تائید میں تمنے فاطمہ بنت قیس کی حدیث جسکا خلاصہ نمبر سوم کے جواب میں آویگا نقل کر کے کہا ہے کہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کی ہے اور اپنی تائید میں امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ امام احمدؒ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر ہنسا کرتے جو فاطمہؓ بنت قیس کے اس بیان پر کہ آنحضرتؐ نے اسکو طلاق بائن کے بعد شوہر کے گھر میں رہنے کا حق نہ دیا تھا۔ انہوں نے کیا اور کہا تھا کہ ہم اسکے بیان پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ نہیں سکتے۔

نمبر چہارم۔ پہلے تمنے کہا ہے کہ حافظ ابن القیم نے دلائل وجوب اتباع صحابہؓ کے بعد ایک سوال کیا اور اسکا جواب بھی دیا ہے۔ پھر اس سوال وجواب کو اصل معہ ترجمہ نقل کر کے کہا ہے۔ کہ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اکیلے صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں مگر اس لحاظ سے کہ زمانہ صحابہ کا حق گوئی سے خالی نہیں کبھی کسی صحابی کا قول ماننا پڑیگا۔ ورنہ لازم آئیگا کہ تمام صحابہؓ حق گوئی سے خالی رہے۔ گویا انہیں فرد منتشر ہے جو موضوع ہے منتشرہ عامہ کا۔ اسمیں تمنے اپنی منطق بگھاری ہے۔ پھر تمنے کہا ہے اس بیان میں حافظ ابن القیم نے اس بحث کو صاف کر دیا ہے۔ صورت اسکی یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اگر کسی مسئلہ کے متعلق چند اقوال ہیں تو پچھلے علماء کو اختیار ہے کہ ان میں

جسکو چاہیں اختیار کریں۔ مگر ان سب سے الگ کوئی حکم یا کوئی تفسیر نکالیں۔ تو جائز نہیں۔ پھر اسی قلم سے اور اسی منہ سے اس اعتراف فیصلہ کن ہونے جواب اور صاف ہو جانے بحث کے برخلاف یہ بھی تمنے کہا ہے کہ اسکا جواب بفصل آئندہ میں آئیگا۔ پھر اس فصل آئندہ میں تمنے بصفحہ ۳۲۔ اس رسالہ ضلالت مقالہ کے اس جواب حافظ ابن القیم کے مضمون کا اعادہ کرکے کسی اصول یا قانون یا نص سے اسکا جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس قانون و اصول مسلمہ و فیصلہ کن جواب و صاف کنندہ بحث کے مقابلہ و جواب میں چار امثلہ علماء خلف و متاخرین کو پیش کیا ہے۔ جنمیں بقول تمہارے انہوں نے عملاً سلف کا خلاف کیا ہے۔ تین جگہ تو تفسیر قرآن میں انکا سلف سے خلاف کرنا تمنے بیان کیا ہے کہ ازاں جملہ ایک جگہ آیت سورہ یوسف میں ولقد همت به پر کلام کو ختم قرار دینا اور وهم بها کو جزا آیا دال جزا شرط لولا ان رای برهان ربه ٹھہرانا ہے جس میں تمنے صفحہ ۳۴ رسالہ میں اپنے مخالف خاندان غزنویہ کو بھی شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ معنے خلاف سلف ہیں۔ اور دوسری جگہ ہاروت و ماروت کو شیاطین سے بدل قرار دینا ہے تیسری جگہ صفحہ ۳۶ رسالہ میں آیات صفات میں سلف کے برخلاف خلف کا تفویض کو چھوڑ کر تاویل کرنا بیان کیا ہے جس کے ساتھ باوجود تسلیم میری مفوض ہونے کے مجھے تاویل خلف سے دلبستگی رکھنے والا قرار دیا ہے اور چوتھے جگہ عقائد جملہ سلف سے حافظ ابن حزم کا خلاف کرنا تمنے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ازواج نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بعد انبیاء افضل الناس کہا ہے اس خلاف ابن حزم کی نسبت تمنے صفحہ ۳۷ رسالے میں کہا ہے کس جرأت سے حافظ ممدوح تمام مسلمانوں کے خلاف رائے ظاہر کرتے ہیں یہ ہی حریت یہ ہے آزادی جس سے یہ جتایا ہے کہ ہم بھی اسی حریت اور اسی آزادی کے خواہاں ہیں اور اسی کے واسطے یہ نظائر پیش کرتے ہیں۔

پھر اسی صفحہ ۳۷ کے آخیر میں تم نے کہا ہے لطیفہ۔ آجکل دھیمی سی آواز ہمارے

کانوں میں آیا کرتی ہے۔ کہ سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال سے جس کو چاہو اختیار کرو۔ مگر ان سے الگ بات نہ کہو بظاہر یہ ایک دل خوش کن اصول ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ بلکہ جہانتک ہمارا خیال ہے یہ حضرات بھی نہیں کر سکتے۔ پھر کہا اس کی ایک مثال ہم بتاتے ہیں۔ پھر اس مثال کے بیان میں کہا ہے کہ مجاہد تابعی نے تمام سلف صالحین کے برخلاف کہا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں آدمیوں کے بندر بنائے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل بندروں کی سے ہوگئے تھے نہ یہ کہ انکی صورت بدل گئی تھی۔ ان حضرات کے اصول کے مطابق ہم بھی یہ معنے اختیار کریں۔ تو ہمپر کوئی عتاب نہ ہوگا؟ یہ اصول سنکر ہنسی آتی ہے کہ کسی کلام کا صحیح یا غلط ہونا قائلین کے لحاظ سے کیوں مانا جاتا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں " یعرفون الحق بالرجال "

نمبر پنجم۔ حدیث اصحابی کالنجوم کو صحیح کہنے اور اس سے ہر ایک صحابی کی تقلید کا وجوب نکالنے والوں پر تمنے حافظ ابن القیم کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو۔ اور اس سے ہر ایک صحابی کی تقلید کا وجوب ثابت ہو۔ تو چاہیئے کہ باہم متخالف الرائے اور مختلف الاقوال صحابہ سے ہر ایک کی تقلید واجب ہو۔ پھر اس اختلاف کی چند ایسی مثالیں نقل کی ہیں۔ جن سب میں سب کی تقلید نہیں کیجاتی "۔ یہ تمہارا سترہ صفحہ کا خلاصہ مطلب ہے۔

اب تم سنو۔ اور تمہارے مقرظین سنیں کہ ان پانچ نمبروں میں تمنے کیا کیا جا بجا زی اور دہوکہ دہی کی ہے۔ اور بعض جگہ صریح کذب بیانی بھی اختیار کی ہے۔

نمبر اول میں تمنے ابو عبد اللہ مالکی کی تقلید سے (نہ کسی شرعی دلیل قرآن یا حدیث سے جس کی پیروی کے تم مدعی ہو) شرعی اصطلاح کی رو سے کسی کی بے دلیل بات مان لینے کو " تقلید بتایا ہے۔ اور اسکو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور دلیل کی پیروی کو اتباع کہا ہے اور اسکو جائز بتایا ہے جسکا صاف اور صریح مطلب و مفاد یہ ہے اگر کوئی عامی یا جاہل کسی امام یا مجتہد یا کسی اور اہل علم سے کوئی مسئلہ متعلق حلال

یا حرام یا نکاح وطلاق وغیرہ احکام کے پوچھے اور وہ اسکو نفس مسئلہ بتادے
مگر اسکی دلیل کتاب وسنت سے بیان نہ کرے تو اس امام یا مجتہد یا عالم کے
قول کی پیروی اس کو جائز نہیں اور وہ پیروی اتباع نہیں کہلاتی جو جائز ہے۔
بلکہ تقلید کہلاتی ہے جو ممنوع ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جو تعامل قرون ثلثہ کے
برخلاف ہے اور اسکو سفید جھوٹ کہا جاوے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے عہد میں اور زمانہ صحابہ وتابعین میں عوام خواص سے مسائل دینی پوچھتے
اور وہ اکثر مواقعہ پر بلاذکر دلیل ان کو جواب دیتے اور وہ اسپر عمل کرتے حضرت
شاہ ولی اللہ (جن کو تم نے استاذ ہند کہا ہے اور واقعی وہ تمام اہلحدیث ہند کے
استاذ ہیں) اور ان سے متقدمین ومتاخرین علمار اصول وفقہ اس تقلید کو جائز
بتاتے چلے آئے ہیں اور اسپر اجماع صحابہ وغیرھم کے مدعی اور ناقل ہیں۔

عدم جواز تقلید کے مدعی علمار سلف سے ہمارے علم میں صرف ایک حافظ ابن
حزم گذرے ہیں۔ جنہوں نے مطلق تقلید کو ناجائز کہا ہے۔ مگر استاذ ہند شاہ
ولی اللہ صاحب وغیرہ نے اُن کی کلام کی تاویل وتوجیہ کرکے اسکو اس عام
قرارداد اور اجماعی عقیدہ علمار اسلام کے کہ "تقلید جائز ہے" مطابق کر دیا ہے
اس اجماع کے ناقلین سے سب سے پہلے ان ہی حضرت کی کلام کو تمہارے سامنے پیش کیا
جاتا ہے۔ آپ حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۵۹ میں اس اجماع کو نقل کرتے ہیں

فصل ومما یناسب ھذا المقام التنبیہ
علی مسائل ضلت فی بوادیھا الافہام وزلت
الاقدام وطفت الاقلام منہا ان ھذہ
المذاھب الاربعۃ المدونہ المحررۃ
قد اجتمعت الامۃ ومن یعتد بہا منہا
علی جواز تقلیدھا ونے ذلک من
المصالح ما لا یخفی لا سیما فی ھذہ

اور اسی صفحہ میں ابن حزم کے قول مذکور
کی کہ "تقلید جائز نہیں" تاویل کرکے اس کو
اجماع کے مطابق کرتے ہیں چنانچہ فرماتے
ہیں منجملہ ان مسائل کے جنکے جنگلوں
میں لوگوں کے فہم بہک گئے اور پاؤں
پھسل گئے اور قلم تیر گئی ایک یہ مسئلہ ہے
کہ چاروں مذاہب جو تحریر وتصنیف میں

* اسکی تائید وتصدیق خدا تعالیٰ نے تمہاری قلم سے نکلوا دی ہے صفحہ ۳۹ رسالہ اتباع اور صفحہ (۲۵۹) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

الایام التی قصرت فیہا الہمم جدًا واشربت النفوس من الہوی و اعجب کل ذی راي برایہ فما ذہب ابن حزم حیث قال التقلید حرام الخ

آچکے ہیں اُن کی تقلید کے جائز ہونے پر امت محمدیہ اور جو لوگ انہیں سے لائق اعتماد ہیں متفق ہو چکے اور اجماع کر چکے ہیں اور اسمیں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں خصوصًا ان ایام میں کہ اسمیں ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں اور لوگوں کے نفوس میں ہوا پلائی گئی ہے۔ اور ہر ایک اپنی رائے کو پسند کرنے لگ گیا ہے پھر جو ابن حزم نے کہا ہے کہ تقلید حرام ہے تو اس کا محمل و محل وہ شخص ہے جو باوجود طاقت اجتہاد ہر مسئلہ میں مقلد ہو رہی اور حدیث صحیح کی مقابلہ میں تقلید کرے۔

انکے بعد ختام المحدثین امام المحدثین زمانہ شیخ الکل کے (جنکو تم اخبار اہلحدیث ۲۶ محرم ۱۳۳۱ھ میں شیخ الکل تسلیم کر چکے ہو اور کتاب معیار الحق کو انکی تصنیف مان چکے ہو) کلام کو تمہارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ معیار الحق کے صفحہ ۴۲ میں عقد الجید سے اور صفحہ ۴۴ میں حجۃ اللہ البالغہ سے اور صفحہ ۵۶ میں تحریر ابن الہمام و شرح تحریر سید بادشاہ سے اور صفحہ ۵۷ میں شرح تحریر ابن امیر الحاج سے اور صفحہ ۶۲ میں مسلم الثبوت سے اور صفحہ ۶۳ میں شرح مسلم بحر العلوم سے اور صفحہ ۶۵ میں مغتنم الحصول سے اور صفحہ ۶۶ میں تقریر الاصول صاحب عنایۃ سے اور صفحہ ۷۱ میں پھر عقد الجید سے اور صفحہ ۷۴ میں تحصیل التعریف شیخ عبد الحق دہلوی سے اور صفحہ ۹۰ میں پھر مسلم الثبوت اور اسکی شرح سے اور صفحہ ۹۰ میں پھر مسلم الثبوت سے تقلید بلا تعیین کے وقوع و جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور صفحہ ۵۸ و صفحہ ۵۹ و ۶۰ وغیرہ میں جواز تقلید اور وجوب مطلق تقلید کتاب عقد الفرید وغیرہ سے بتصریح نقل کی ہے اور خود بھی جا بجا اس جواز اور وجوب کا دعوی کیا ہے۔

معیار الحق میں یا اس سے پہلی تالیفات فقہا و محدثین میں تقلید سے انکار واقع ہوا ہے تو کسی ایک خاص امام یا ایک مذہب کی تقلید بخیال وجوب سے انکار ہوا ہے نہ جواز مطلق تقلید سے ہے ہمکو ان کتابوں میں اور ان مقامات میں جواز یا وجوب تقلید

نظر نہ آوے اور تمہارے مصدقین نے بھی نہ دیکھا ہو۔ تو پھر تمہارے اس اظہار بیجا پر ہم اصل عبارات نقل کر کے مشتہر کرینگے اور اہلحدیث کے پبلک پر تمہاری اور تمہارے مصدقین کی علمیت و واقفیت و فہم و دیانت کا اچھی طرح اظہار کر دینگے۔

حضرت شیخنا و شیخ الکل کے آخری تصنیف رسالہ ثبوت الحق الحقیق ہے۔

اس رسالہ میں بھی حضرت شیخ الکل نے ایک ہی مذہب یا ایک ہی امام کی تقلید شخصی کے واجب اور جائز شرعی ہونے سے انکار کیا ہے نہ مطلق تقلید سے جس میں کوئی ایک مذہب کی تعیین نہ کرے اور اس تعیین کو حکم شرعی نہ جانے اور اس میں خطاب شارع کے وارد ہونے کا اعتقاد نہ رکھے چنانچہ پہلے رسالہ کے صـ۳ میں آپنے فرمایا ہے۔ تقلید شخصی خطاب شرع اور تکلیفات شرعیہ میں داخل ہوئی پھر فرمایا تقلید شخصی عند التحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی اسلیے کہ مباح خطاب شارع میں داخل ہے اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے۔ پھر صفحہ آخیر میں فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ جاہل ناواقف پر بمقتضائے آیت کریمہ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر الآیۃ هل یستوی الذین یعلمون الآیۃ و فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون وغیرها من الآیات مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا فرض و واجب ہے شرعاً یعنی ہر جاہل وقت لاعلمی کی کسی عالم اہل ذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو خواہ وہ فاضل ہو خواہ وہ مفضول ہو۔ کیونکہ اہل الذکر عند التحقیق عام ہے مسئلہ دریافت کر لیا کرے خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھے یا دو سے فی الجملہ جس سے تسلی اور دلجمعی ہو مسئلہ میں۔ پھر جب ایک یا دو سے مثلاً دریافت کر لیا عہدہ تکلیف سے باہر ہو گیا اسپر مواخذہ شرعاً نہ رہا اور اسی پر اجماع ہو چکا۔ قطعاً اعلم ان کلاً من المجتهدین والعلماء الکاملین اهل الذکر الذین وجب سوالهم واتباعهم لمن لم یصل الی درجۃ النظر والاستدلال فان عمل احد من المقلدین بقول احد منهم فقد ادی ما علیہ هذا حاصل ما یستفاد من القول السدید وغیرہ۔

مسئلہ یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل فی العلم عند الاکثر وعن
احمد وکثیر المنع بل یجب النظر فی الارجح ثم اتباعہ لنا اولاً کما اقول
عموم فاسئلوا اهل الذکر وثانیاً القطع فی عصر الصحابۃ باستفتاء
کل صحابیاً مفضولاً فکان اجماعاً ومن ثم قال الامام لولا اجماع الصحابۃ
لکان مذهب الخصم اولی انتہی ما فی مسلم الثبوت فمن انکر عموم اهل
الذکر فالولی ثم اولی۔ اللھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلا واللہ اعلم
بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار۔ مُہر سید محمد نذیر حسین صاحب
اس عبارت شیخ الکل کو چشم بصرت سے دیکھنے والوں کو یقین ہو گا کہ
آپ کو تقلید شخصی کے وجوب اور جواز شرعی سے انکار ہے نہ مطلق تقلید کے
وجوب یا جواز سے۔ اور جو معیار الحق کے صفحہ ۱۲۸ میں فتوحات مکّہ سے
نقل کیا گیا ہے۔ کہ جب کوئی شخص عالم ہو جاہل ہو۔ اور اس کو تقلید ہی کرنی
کی ضرورت پڑے تو ایک ہی مذہب کا التزام نکرے اور مفتی سے سوال
کرے تو یوں کہے کہ اس مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم کیا ہے۔ پھر اگر مفتی
اللہ و رسول کا حکم سناوے تو اسکو قبول کرے۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ میری
رائے ہے تو اسکو نہ لے اور کسی دوسرے سے خدا اور رسول کا حکم پوچھے
اس سے بھی عدم جواز تقلید ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ صاحب فتوحات نے
ایسے سائل کو خود مقلد قرار دیا ہے۔ ہاں طریق سوال یہ بتایا ہے کہ جب
پوچھے حکم خدا و رسول کا پوچھے اور جب اسکو معلوم ہو جائے کہ مفتی نے
جو فتوے دیا اپنی رائے سے دیا ہے نہ حکم خدا و رسول سے تو ایسی رائے کی
تقلید نہ کرے اس میں اس درایت مفتی کی پیروی سے ممانعت نہیں پائی جاتی
جو روایت حدیث یا قرآن سے استحاصل کی ہو۔
جیسے تمہارے بیان کردہ اسکا احادیث سو امام بخاری نے حاصل کی ہو۔ صاحب
فتوحات ایسی درایت کی پیروی سے منع نہیں کرتے اور تم ایسی درایت کو

نا معتبر اور نا قابل تقلید بتلاتے ہو
بالجملہ معیار الحق سے پہلی کسی تالیف محدثین و فقہا میں یہ مسئلہ پایا نہیں جاتا کہ عامی کو مفتی کے فتوے اور اسکے درایت کی پیروی اور اسکی تقلید جائز نہیں۔ یہ تمہارا ہی دروغ ہے۔ جسپر تمنے ابو عبد اللہ مالکی کا قول معنے تقلید و اتباع میں نقل کرکے اپنے ناظرین و مصدقین کو دہوکہ دیا ہے اور اسسے اس کذب کا نتیجہ نکالا۔ تقلید کے صحیح معنے اصطلاح اہل اصول میں وہ ہیں جو معیار الحق کے صفحہ ۳۰ میں بیان ہوئے ہیں۔ ابنائے علیہ عرفی کے معنے کے روسے تقلید کو اتباع اور اتباع کو تقلید کہنا جائز تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس معنے کے روسے عامی کے لیے تقلید مجتہدین و علماء کی بالاتفاق جائز ہے اگر وہ بمقابلہ نصوص ہو اور اسمیں تخصیص و تعیین مذہب بزعم وجوب پائی جاتی ہو۔ اگر تم معیار الحق کا صفحہ ۳۰ دیکھ لیتے اور تقلید و اتباع کے صحیح معنے سمجھ لیتے تو ابو عبد اللہ مالکی کے قول سے نہ خود دہوکہ کھاتے اور نہ اپنے مصدقین و منتظرین کو دہوکہ میں ڈالتے اور اس دہوکہ کھانے سے اس کذب کی جرأت نکرتے کہ تقلید اور پیروی درایت ناجائز ہے۔ اور صرف روایت کا اتباع جائز ہے۔ بالفعل ہمنے تمہارے مسلمہ کتب سے جواز تقلید و اتباع درایت ثابت کیا ہے۔ اگر ان کتب کی نقل و بیان کو نا قابل تسلیم ہونا تمنے ثابت کیا تو ہم احادیث نبویہ صحیحہ سے ثابت کر دکھائینگے کہ عوام کا تقلید خواص کرنا یعنے خواص کا عوام کو جواب مسائل بلا ذکر دلیل دینا۔ اور عوام کا پیروی خواص بغیر سننے دلیل کے کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پایا گیا ہے۔ آنحضرت ؐ نے اس عمل کو سنا اور اس سے منع نہ کیا۔ جس سے آفتاب کے مانند ثابت ہوگا۔ کہ مطلق تقلید کے جواز سے انکار کرنا اور تقلید کا لفظ ہی سنکر چونک پڑنا عالم کا کام نہیں ہے۔ اور جو شخص ایسا کرے وہ عالم نہیں جاہل ہے۔ اگر وہ کچھ کتابیں پڑھا ہے یا مولوی فاضل کا لقب و خطاب حاصل کر چکا ہے۔ تو بھی وہ کمثل الحمار یحمل اسفارا کا مصداق ہے۔ یعنے چارپائے بروکتابے چند۔

نمبر دوم میں جو تم نے کہا ہے کہ محدثین کا عام اصول ہے کہ موقوف حجت

نہیں اور امام شافعی کا قول ہے کہ صحابہ سے کسیکی تقلید نہ کی جاوے اسمیں دو مغالطہ کذب آمیز ہیں۔

• اول یہ کہ عام محدثین میں امام احمد حنبل رح بھی داخل ہیں۔ کیونکہ وہ امام المحدثین تھے اور وہ شیخین کی متفق علیہ موقوف کو حجت جانتے ہیں۔ اور خلفائے اربعہ کے متفق علیہ کو اجماع جانتے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جلد ۳ منہاج السنۃ کے صفحہ ۱۶۳ میں کہتے ہیں

ولہذا کان احد قولی العلماء وھو احدی الروایتین عن احمد ان قولھما اذا اتفقا حجۃ لا یجوز العدول عنہ وھذا اظہر القولین کما ان الاظہر ان اتفاق الخلفاء الاربعۃ ایضًا حجۃ لا یجوز خلافہا لامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باتباعہ (منہاج السنۃ ص۱۶۳ جلد ۳)

کہ علماء کے دو قول میں ایک قول یہ ہے اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے کہ شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ حدیث حجت ہے اس سے عدول کرنا جائز نہیں اور یہی انکے دو اقوال میں سے ظاہر ترین قول ہے کہ خلفاء اربعہ کا اتفاق بھی حجت ہے اسکا خلاف جائز نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی پیروی کا حکم دیا ہے۔

اور کتاب مسلم الثبوت میں ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک شیخین اور خلفاء اربعہ کے اتفاق

ولا بالشیخین عند الاکثر ولا بالخلفاء الاربعۃ خلافًا لاحمد وبعض الحنفیۃ ومنہم القاضی ابو حازم۔ مسلم الثبوت

رائے سے اجماع ثابت نہیں ہوتا اس سے امام احمد اور بعض حنفیہ کو خلاف ہے کہ وہ اسکو حجت جانتے ہیں اور اجماع تسلیم کرتے ہیں۔

امام احمد رح کے اس قول سے صاف ثابت ہے کہ تمہارا موقوف کے حجت ہونے کو عام محدثین کا اصول قرار دینا دو کذب سے خالی نہیں۔ اول اگر تم امام احمد کو محدثین سے نہیں سمجھتے تو یہ ایک صریح کذب ہے (۲) اور اگر انکو محدثین سے سمجھتے ہو تو پھر انکے نزدیک موقوف حدیث کو حجت نہ کہنا دوسرا کذب ہے۔

ایک اور بھی امام حدیث ہیں (امام الائمہ فخر الامۃ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ) جن کو تم محدث نہیں سمجھتے جیسے کہ تمہارے نامہ نگار اخبار نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو۔ اسلامی دنیا جن میں

تمہارے ایک پیشوا نواب صاحب بھوپال شامل ہیں جو (اتحاف النبلاء کے صفحہ) میں انکو محدثین سے شمار کر چکے ہیں) توانکو محدث سمجھتے تھے) وہ امام تمام صحابہ کے موقوف حدیث کو حجت اور واجب العمل جانتے ہیں۔ اس امام عالیمقام کا قول کہ قول اصحاب نبوی کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ اور جو آنحضرت کے اصحاب سے مروی ہو وہ میرے سر آنکھوں پر ہے صفحہ (۲۷۵) میں منقول ہو چکا ہے۔ اور آپکے تابعین سے شیخ ابن الہمام فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں فرماتے ہیں۔ صحابی کا قول ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک حجت ہے اسکی تقلید واجب ہے جب تک کہ سنت نبوی اسکی نفی نہ کرے۔ یعنی حدیث اسکے بر خلاف نہو۔

> فقول الصحابی حجة عندنا یجب تقلیدہ مالم ینفه شئی من السنة ۔ (فتح القدیر)

اس عبارت فتح القدیر کو صاحب دراسات نے بھی بصفحہ (۱۴۱) نقل کیا ہے اور جو اسکے معارض فتح القدیر میں عبارت پائی جاتی ہے اسکا جواب دیدیا ہے۔

دوسرا مغالطہ آمیز کذب یہ ہے کہ تم نے امام شافعی رح سے بلا تفصیل تمام صحابہ کے قول کا لائق تقلید ہونا نقل کیا ہے۔ حالانکہ امام شافعی سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صحابہ کی رائے ہمارے رائے سے بہتر ہے۔ جو مشعر جواز ہے۔ شیخ ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰ میں فرماتے ہیں۔ بالجملہ صحابہ تمام امت سے بڑھ کر عالم تھے اور بڑھکر فقیہ اور بڑھکر دیندار اسی واسطے امام شافعی نے ان کے حق میں جو کہا ہے کہ صحابہ ہر علم اور فقہ اور دین اور ہدایت میں اور ہر ذریعہ حصول علم و ہدایت میں ہم سے بڑھکر تھے ان کی رائے ہمارے سے بہتر ہے۔

> بالجملة فهذا باب یطول وصفه فالصحابة هم اعلم الامة وافقهها وادینها۔ ولهذا احسن الشافعی فی قوله هم یعنی الصحابة فوقنا فی کل علم وفقهٍ ودینٍ وهدًی وفی کل سببٍ ینال به علم وهدی ورأیهم لنا خیرٌ من رأینا لانفسهم۔
> (منہاج السنۃ صفحہ ۱۴۰ جلد ۳)

ایسا ہی آپ کے شاگرد حافظ ابن قیم نے کتاب رد نصاریٰ میں امام شافعی رح

سے نقل کیا ہے۔ اور امام نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں کہا ہے کہ

فاما اذا اختلف الصحابة على قولين فان قلنا بالجديد لم يجز تقليد واحد من الفريقين بل يطلب الدليل وان قلنا بالقديم فهما دليلان تعارضا فيرجح احدهما على الآخر بكثرة العدد فان استوى العدد قدم بالائمة فيقدم ما عليه امام على ما لا امام عليه فان كان احدهما اكثر عددا ومع الاقل امام فهما سواء فان استويا في العدد والائمة الا ان في احدهما احد الشيخين ابي بكر وعمر رضي الله عنهما وفي الآخر غيرهما ففيه وجهان لاصحابنا احدهما انهما سواء والثاني يقدم ما فيه احد الشيخين هذا كله اذا لم ينتشر اما اذا انتشر فان خولف فحكمه ما ذكرناه وان لم يخالف ففيه خمسة اوجه لاصحابنا العراقيين الاربعة الاولى منها وهي مشهورة في كتبهم في الاصول وفي اوائل كتب الفروع احدها انه حجة واجماع وهذا الوجه هو الصحيح عندهم والثاني انه حجة وليس باجماع (شرح مسلم)

جب صحابہؓ کے دو قول پر اختلاف ہو تو بنا بر قول جدید امام شافعی ان دونوں کی تقلید جائز نہیں اور بنا بر قول قدیم وہ دونوں قول دو دلائل متعارض ہونگے پر ایک کو دوسرے پر کثرت عدد سے ترجیح دیجائے گی عدد میں دونو مساوی ہوں تو جس قول پر کوئی امام ہوگا اسکو ترجیح دیجائے گی۔ اگر ایک قول کی طرف کثرت ہو۔ اور دوسری طرف امام تو دونو مساوی ہونگے اور اگر عدد اور اماموں میں مساوی ہوں۔ مگر ایک طرف شیخین ابو بکر و عمر ہوں تو اس صورت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں مساوی ہیں۔ دوسرا یہ کہ جس طرف شیخین ہوں اُسے ترجیح ہوگی۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ وہ اقوال مشتہر نہ ہوں اور اگر وہ مشتہر ہوں اور انمیں اختلاف واقع ہو تو اسکا حکم مذکور ہوا اور اگر اختلاف نہو تو اس میں ہمارے اصحاب اہل عراق کے پانچ اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ قول حجت ہے اور وہ اجماع منقول ہے یہی قول ان کے نزدیک صحیح ہے (۲) یہ کہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں پھر تین اور اقوال بیان کیے ہیں۔

اور حافظ ابن القیم سرے ہی سے امام شافعی رح کے حجیت قول صحابی سے انکار کرنے سے منکر ہیں۔ چنانچہ **اعلام الموقعین** جلد ۳ کے صفحہ ۲۱۷ میں فرماتے ہیں

واما الجدید فکثیر منهم یحکی عنه فیه انه لیس بحجة وفی هذه الحکایة نظر ظاهر جدًا فانه لایحفظ له فی الجدید حرف واحد ان قول الصحابی لیس بحجة ثم قال وقد صرح الشافعی فی الجدید من روایة الربیع عنه بان قول الصحابة حجة یجب المصیر الیه (اعلام الموقعین عن رب العالمین جلد ۳ ص ۲۱۷)

بہت لوگ امام شافعی کے قول جدید سے یہ نقل و حکایت کرتے ہیں کہ قول صحابی حجت نہیں مگر اس نقل و حکایت میں سخت کلام ہے۔ امام شافعی سے اس مضمون کا ایک حرف بھی محفوظ نہیں۔ امام شافعی نے قول جدید میں جو بروایت ربیع انسے مروی ہے صاف تصریح سے کہدیا ہے کہ قول صحابی حجت ہے اسکی طرف رجوع واجب ہے۔

اور اسی جلد ۳ کے صفحہ ۳۷۹ میں انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر صحابی نے دوسرے صحابی

وان لم یخالف الصحابی صحابیاً اخر فاما ان یشتهر قوله فی الصحابة او لا یشتهر فان اشتهر فالذی علیه الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة وقالت طائفة منهم هو حجة ولیس باجماع وقالت شرذمة من المتکلمین وبعض الفقهاء المتاخرین لایکون اجماعًا ولا حجة وان لم یشتهر قوله او لم یعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل یکون حجة ام لا فالذی علیه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفیة صرح به محمد بن الحسن وذکر عن ابی حنیفة رح ایضًا

کا خلاف نہ کیا ہو تو پھر اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اسکا قول مشتہر ہو چکا ہے اس صورت میں اکثر فقہاء قائل ہیں کہ وہ قول اجماع ہے اور حجت ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں ہے اور بہت ہی تھوڑے لوگوں متکلمین اور متاخرین فقہاء نے کہا ہے کہ نہ وہ حجت ہے نہ اجماع دوسری صورت یہ ہے کہ وہ قول مشتہر نہوا ہو۔ یا یہ کہ اسکا مشتہر ہونا اور نہ ہونا کچھ بھی معلوم نہو تو اسمیں بھی اختلاف ہے کہ وہ حجت ہے یا نہیں جمہور امت

وهو مذهب مالك واصحابه وتصرفه
في موطئه دليل عليه وهو قول اسحق
بن راهويه وابي عبيد وهو منصوص
الامام احمد في غير موضع عنه واختيار
جمهور اصحابه وهو منصوص الشافعي
في القديم والجديد اما القديم فاصحابه
مقرون به واما الجديد فكثير منهم يحكي
عنه انه ليس بحجة وغاية ما تعلق به من
نقل ذلك انه يحكي اقوالا للصحابة في
الجديد ثم يخالفها ولو كانت عنده حجة
لم يخالفها وهذا تعلق ضعيف جدا فان
مخالفة المجتهد الدليل المعين لما هو اقوى
في نظره منه لا يدل على انه لا يراه دليلا
من حيث الجملة بل خالف دليلا لدليل
ارجح عنده منه (اعلام الموقعين جلد ۳
ص ۳۷۹)

محمدیہ اسپر ہیں کہ وہ حجت ہے یہی جمہور
حنفیہ کا قول ہے چنانچہ امام محمد رحمہ نے
بتصریح کہدیا ہے کہ اور یہی امام ابوحنیفہ
سے انکی تصریح سے نقل کیا ہے۔ اور
یہی امام مالک اور ان کے شاگردوں سے
بتصریح منقول ہے اور یہی امام شافعی
سے قول قدیم وجدید میں صاف طور پر
پایا جاتا ہے۔ ان کے قول قدیم کو تو انکے
اصحاب بھی مانتے ہیں۔ رہا قول جدید سو
بہتیرے لوگ ان سے حکایت کرتے ہیں کہ
قول صحابی حجت نہیں ہے۔ یہ حکایت انکے
اس فعل سے نکالی جاتی ہے کہ امام شافعیؒ
صحابہ کے اقوال نقل کرکے پھر انکا خلاف
کرتے ہیں اور اگر وہ انکو حجت جانتے تو
ان اقوال کا خلاف نہ کرتے مگر یہ وجہ استنباط
نہایت ضعیف ہے کیونکہ مجتہد کا کسی ایک
دلیل سے دوسری اقوی دلیل کی نظر سے مخالفت کرنا اس امر کے دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ
پہلی دلیل کو فی الجملہ بھی حجت نہیں جانتا بلکہ یہ مخالفت اس وجہ سے ہوسکتی ہے کہ
وہ دوسری دلیل کو پہلی دلیل سے قوی تر سمجھتا ہے۔

اور اسی جلد ۳ کے صفحہ ۲۰۲ میں وہ فرماتے ہیں۔ جونسی کتاب کتب

فاي كتاب شئت من كتب السلف و
الخلف المتضمنة للحكم والدليل وجدت
فيه الاستدلال باقوال الصحابة ووجدت

سلف یا خلف سے حکم اور دلیل حکم کی
متضمن تو دیکھنا چاہے گا اسمیں صحابہؓ
کے اقوال سے استدلال کرنا تو مشاہدہ

ذلك طرزها وزينتها ولم تجد فيها قط ليس قول ابي بكر وعمر حجة ولا يحتج باقوال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وفتاويهم ولا ما يدل على ذلك۔
(اعلام الموقعين جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)

کریگا اور اس امر کو تو اس کتاب کا دامن ونشان وزینت پاویگا اور کسی کتاب سلف یا خلف میں ہرگز نہ پاویگا کہ ابوبکر وعمر رضہ کا قول حجت نہیں ہے اور اقوال صحابہ اور ان کے فتوے لائق دستاویز نہیں ہیں اور نہ اس مضمون کا کوئی اور قول۔

امام شافعی سے اس تفصیل واختلاف کے منقول ہونے کے ساتھ تمہارا بلا تفصیل یہ کہدینا کہ امام شافعی کہتے ہیں کہ اصحاب میں سے کسی کی تقلید نہ کی جاوے۔ مغالطہ آمیز کذب نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اب اس سے بڑھکر اپنا کذب سنو!۔

نمبر سوم میں تمنے کہا ہے کہ حافظ ابن القیم ۴۶ دلائل وجوب اتباع صحابی کے دینے کے ساتھ حضرت عمر کے فیصلوں پر ہنسی اڑاتے اور زاد المعاد میں فیصلہ عمر کے سخت مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔ کہ امام احمد حضرت عمر کے فیصلہ پر جو فاطمہ بنت قیس کا قول سُن کر انہوں نے کیا تہا ہنسا کرتے یہ ایک ایسا سفید یا سیاہ جھوٹ ہے کہ اسکے سبب تم پر آسمان ٹوٹ پڑے تو بجا ہے۔ زمین پھٹ کر تمہیں دہنسا دے تو یہ اسکی ادنے سزا ہے۔ خدا ہے صبوّر اور حلیم اس سزا سے تمکو بچالے تو وعید لعنت الله على الكاذبين کی سزا سے کم تم ہرگز نہیں بچ سکتے۔

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں توصاف اور تصریح الفاظ میں یہ کہا ہے

وقد انكر الامام احمد هذا عن عمر وجعل يتبسم ويقول اين في كتاب الله ايجاب السكنى ونفقة للمطلقة ثلاثا۔
(زاد المعاد صہ ۳۱۶)

کہ امام احمد نے حضرت عمر رضہ سے اس قول کے ثابت ومنقول ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ اس قول کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے پر تبسم کیا کرتے اور کہا کرتے کہ قرآن میں مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکونت مکان میں سکونت اور نفقہ کا وجوب کہاں پایا جاتا ہے یعنے پہر حضرت عمر کا یہ کہنا کہ ہم کتاب اللہ کو ایک عورت کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتے کیونکر ممکن تہا

> انکرته قبلة الفقيهة الفاضلة فاطمة وقالت بيني وبينكم كتاب الله تعالى لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا واي امر يحدث بعد الثلث وقد تقدم ان قوله اذا بلغن اجلهن فامسكوهن يشهد بان الايات كلها في الرجعيات۔
>
> (زاد المعاد صـ ۳۱۶)

پھر حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ امام احمد سے پہلے فقیہہ فاضلہ بنت قیس نے بھی مطلقہ ثلاثہ کے لیے کتاب اللہ میں حکم سکونت کے پائے جانے پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھ میں اور تم میں جو شوہر کے مکان میں سکونت کو لازم کہتے ہو کتاب اللہ گواہ ہے خدا تعالیٰ نے جس آیت میں مطلقہ کو گھر سے نہ نکالنے کا حکم دیا ہے اس آیت میں طلاق رجعی کا ذکر ہے تب ہی فرمایا ہے کہ شاید خدا کوئی ایسا امر پیدا کردے کہ وہ عورت تمہارے ہی نکاح میں آوے اور جب تین طلاقیں ہوجائیں تو پھر کونسا امر پیدا ہوگا۔ وہ عورت تو نکاح میں آنیکی نہیں۔

اس عبارت میں لفظ ھٰذا۔ اور لفظ عنؔ صاف بتا رہا ہے کہ امام احمد کا انکار تسلیم اس قول کے حضرت عمر سے مروی ہونے پر ہے نہ حضرت عمرؓ سے ثابت اور مسلم قول پر اور اسکو انسے بسند صحیح منقول مانکر۔ بیٹا تمنے عربی پڑھی۔ یونیورسٹی سے سند حاصل کی اور تفسیر قرآن میں تمکو یہ دعوے ہے کہ بلا مراجعت حدیث نبوی و آثار سلفی تم عربی زبان دانی سے قرآن کے معنے بیان کرسکتے ہو پھر تمکو یہ لفظ ھٰذا و عنؔ سے سمجھ میں نہ آیا کہ امام احمد کا انکار اس قول کے حضرت عمر سے ثابت مروی ہونے پر ہے نہ حضرت عمر سے اس قول کو بسند صحیح منقول مانکر اس قول پر انکار ہے۔ امام احمد یا ابن القیم اس قول کو حضرت عمر سے صحیح منقول مانکر اسپر انکار کرتے۔ تو حافظ ابن القیم اس انکار کے بیان میں بجائے لفظ عن لفظ علیٰ بولتے اور یہ فرماتے وقد انکرا لامام احمد ھٰذا علیٰ عمرؓ۔ اس بات کو مولوی فاضل ہو کر تمہارا نہ سمجھنا اور اس دروغ پر کہ یہ حضرت امام احمد و حافظ ابن القیم حضرت عمر کے فیصلوں پر ہنسا کرتے تو کچھ محل تعجب نہیں تم تو ابھی لونڈے ہو اور مقولہ مشہور ہے وہ بسیار

عمر با ید تا پختہ شود خامے تعجب تو تمہارے مصدقین پر ہے جو کتب درسیہ پڑھاتے سفید ریش ہو گئے ہیں اور مدت سے حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں پھر وہ کتاب زاد المعاد کو نکالکر امام احمد کا یا ابن القیم کا کلام مذکور نکالکر نہ دیکھ سکے۔ اور اگر دیکھا ہی تو اسمیں لفظ عن کو نہ سمجھ سکے اور باینہمہ وہ اپنی تقریظوں میں تمہاری کلی تصدیق کرتے ہیں۔ مصدق نمبر اول لکھتے ہیں کہ ہم نے رسالے کی سب نقول کو مطابق اصل پایا اور مصدق نمبر دوم اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں کہ مصنف نے جس موضوع پر اسکو تحریر فرمایا ہے۔ اسمیں وہ میرے نزدیک پورے کامیاب ہیں اور مصدق نمبر ۳ و ۴ و ۵ پہلے حضرات کی تقلید و تصدیق کرتے ہیں۔ اور مصدق نمبر چھ اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں مجھے اس میں کہیں لغزش معلوم نہیں ہوئی۔ اور مصدق نمبر سات اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں کہ مولوی فاضل امرتسری کے ہر ایک دعوے کو مدلل اور ہر ایک دلیل کو مثبت پایا۔ جن دلائل عقلیہ و نقلیہ سے کام لیا ہے وہ مصنف فاضل ہی کا حصہ تھا اور اسی قسم کی بولیاں اور لوگ بول گئے ہیں اور کسی نے اپنے علم و فہم و ایمان و صداقت بیانی و حق گوئی سے کام نہیں لیا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب امام احمد کے اس قول کے معنے انہی کے دوسرے قول سے اور حافظ ابن القیم کی تشریح سے سنو۔

حافظ ابن القیم کلام سابق کے دوسرے صفحے میں فرماتے ہیں۔

واما الطعن الرابع وهو معارضة روايتها برواية عمر رضى الله عنه فهذه المعارضة تتوه من وجهين احدهما قوله لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا وان هذا في حكم المرفوع۔ الثاني قوله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لها السكنى

حدیث فاطمہ بنت قیس پر لوگوں کا چوتھا طعن یہ ہے کہ اُس کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول موجود ہے کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اور یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ دوسرا یہ قول جو حماد بن سلمہ سے وہ حماد بن ابی سلیمان

والنفقة ونحن نقول قد اعاذ الله
امیر المؤمنین من هذا الکلام الباطل
الذی لا یصح عنه ابدا قال الامام احمد
لا یصح ذلك عن عمر وقال ابو الحسن
الدارقطنی بل السنة بید فاطمة بنت
قیس قطعا ومن له المام بسنة رسول
الله صلی الله علیه وسلم یشهد شهادة الله
تعالی انه لم یکن عند عمر رضی الله عنه
سنة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان للمطلقة ثلثا السکنی والنفقة
وعمر کان اتقی لله واحرص علی تبلیغ
سنن رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان یکون هذه السنة عنده ثم لا
یرویها اصلا ولا یبینها ویبلغها عن
رسول الله صلی الله علیه وسلم واما حدیث
حماد عن ابراهیم عن عمر رض سمعت
رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لها
السکنی والنفقة فنحن نشهد بالله
شهادة نسأل عنها اذا لقینا هذا
کذب علی عمر وکذب علی رسول الله
صلی الله علیه وسلم (زاد المعاد ص ۳۱)

سے وہ ابراہیم سے وہ حضرت عمرؓ سے
نقل کرتے ہیں چنانچہ ابن حزم کے
محلی سے زاد المعاد میں منقول ہے
کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے جائے
سکونت اور نفقہ ہے ہم کہتے ہیں
(حافظ ابن القیم کا قول ہے) کہ خدا
تعالی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس
باطل کلام سے بچایا ہوا ہے امام احمدؒ
نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حضرت عمرؓ سے
صحت کو نہیں پہنچا۔ امام ابو الحسن دارقطنی
نے کہا ہے کہ سنت رسول اللہ یقیناً
فاطمہ کے ساتھ ہے اور جسکو ذرا بھی
حدیث سے لگاؤ ہوگا وہ اللہ کے
واسطے شہادت دیگا کہ حضرت عمرؓ کے
پاس اس مضمون کی کوئی حدیث نہ تھی
حضرت عمرؓ حدیث کی تبلیغ کے بڑے
حریص تھے اور اس امر سے کہ حدیث
ان کے پاس ہو اور اسکو بیان نہ کریں
اور لوگوں کو نہ پہنچاویں بہت بچنے والے
تھے اور جو حدیث مذکور حماد نے نقل کی

ہے ہم اسکی نسبت خدا کی قسم سے شہادت دیتے ہیں جس سے ہمکو اس دن سوال
ہوگا جب ہم خدا کے پاس حاضر ہونگے کہ وہ حدیث حضرت عمرؓ پر اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا ہے اُس کے راوی ابراہیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

ناظرین اہل دین صاحبان غیرت وشرم وتمکین! اس کذب ومغالطہ ثنائی کو پڑھکر خدا لگتی کہنا کہ اگر حافظ ابن القیم اور امام احمد سے وہ کلام (قول زاد المعاد میں پایا جاتا ہی) جو اس عاجز خاکسار نے نقل کیا ہے۔ تو پھر ثناء اللہ کے کاذب دروغ گو ہونے میں کچھ شک وشبہ باقی رہتا ہے؟ کیا ایک ہی اسکا کذب اس کے کاذب ہونے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور اس صورت میں وہ مجلس اہلحدیث کے ممبر ہونے کے لائق رہتا ہے۔ اور کیا وہ انجمن صادقین کی ممبری سے علیحدہ کرنے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور اسکے مصدقین خصوصًا نمبرا و ۲ و ۳ (جو فیصلہ آرہ کے منصف ہیں) علماء کہلانے کے مستحق رہتے ہیں اور انکا وہ فیصلہ قابلِ اعتبار رہتا ہے۔ اور آیندہ وہ کسی مقدمہ میں منصف بننے کے لائق رہتے ہیں۔ بینوا۔ توجروا۔ اسمیں ہمکو اور کسی محقق کو کلام نہیں کہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قبول نہیں کیا۔ اور اسپر اس روایت کے نقل وبیان میں نسیان وعدم ضبط کا گمان کیا اور اس کے برخلاف مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر کے گھر میں سکونت کے وجوب کا حکم دیا اور یہہ فیصلہ کیا۔ کلام صرف اس میں ہے کہ حافظ ابن قیم اور امام احمدؒ نے حضرت عمرؓ سے اس قول عمری کا سند صحیح مروی ہونا تسلیم کرکے اسپر ہنسی اور ٹھٹھا کیا ہے۔ ان دونوں کا کلام مذکور اس کی صریح تکذیب کرتا ہے۔ رہا یہ کہ جو حافظ ابن قیم اور امام احمدؒ نے کہا ہے وہ بجاے خود صحیح ہے یا نہیں۔ سو یہ امر دیگر ہے اس مقام میں اس کی بحث نہیں۔

نمبر چہارم میں تمنے عجیب دوبا بازی کی ہے۔ پہلے حافظ ابن القیم سے سوال معترض کا یہ جواب کہ "کسی اکیلے صحابی کا قول حجت نہیں تو انمیں سے کسی نہ کسی صحابی کا قول صحیح ماننا پڑے گا"۔ نقل کرکے اسکو فیصلہ کُن اور بحث کو صاف کرنے والا قرار دیا ہے جس سے اپنے مصدقین کی آنکھوں پر روغن قاز ملکر اندھا بنا دیا اور انکو یہ سوجھایا کہ میں حافظ ابن القیم کا معتقد ہوں۔ اور اتباع سلف

میں انکے تشدد کو پسند کرنے والا اور انکے اس جواب کو تسلیم کرنے والا ہوں۔ اپنا معتقد بنا لیا۔ پھر اس جواب میں شبہ ڈالنے کو اس جواب کے برخلاف امثلہ اربعہ علماء متاخرین (جنمیں سے ایک میں غزنوی خاندان کو شامل کر لیا اور ایک میں مجھے آلودہ کرنا چاہا) پیش کر کے یہ جتایا ہے کہ حافظ ابن القیم کا جواب تو معقول و مقبول ہے مگر اسمیں مشکل آگر یہ پڑ گئی ہے کہ اس جواب کے مطابق عمل خود آپ لوگوں سے نہیں ہو سکا تو میں اسپر کیونکر عمل کر سکتا ہوں۔ اس مکر روباہی کا دفعیہ یہ ہے کہ جو جواب حافظ ابن القیم نے دیا ہے یہ ایک قانون اسلام ہے جس کو تمنے بھی زبان سے فیصلہ کن اور بحث کو صاف کرنے والا تسلیم کر لیا ہے۔ اور جو ان چار مثالوں میں جن کو تمنے اس قانون مسلم کے مخالف ٹھہرا کر بیان کیا ہے اور علماء متاخرین سے بقول تمہارے اس قانون کا خلاف ہوا ہے وہ ان علماء کے عملی فیصلجات ہیں اور یہ قاعدۂ کلیہ مسلمہ شریعت اسلام و قانون عدالت ہے کہ فیصلجات سے قانون رد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ قانون کی خلاف ورزی سے ہمیشہ فیصلے منسوخ ہو جاتے ہیں اور رد کیئے جا سکتے ہیں۔ بناءً علیہ جس مثال میں ان امثلہ اربعہ سے یا دنیا بھر کی اور مثالوں میں اس قانون مسلم کا خلاف ہوا ہے۔ وہ مثال قابل رد ہے اور ان جملہ مثالوں سے وہ قانون مسلّم رد نہیں ہو سکتا۔ یہ دفعیہ اس صورت میں کہ ان چاروں مثالوں کو اس قانون مسلم کے مخالف تسلیم کیا جائے۔ اور اگر ہم از انجملہ کسی مثال کو اس قانون کے مخالف نہ مانیں تو اسکی بھی گنجایش ہے۔ اور اس صورت میں اس دفعیہ کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ ان چاروں مثالوں کے بلکہ پانچویں مثال کی (جو مجاہد تابعی سے تمنے بصفحہ ۲ رسالہ لطیفہ کی تائید میں نقل کی ہے) بلکہ اور جو مثال آئندہ تم یا تمہارا کوئی ہم خیال پیش کرے ان سب کے جواب میں یہ کہنا کافی ہوگا۔ ثبت العرش ثم النقش یعنی پہلے چھت بنالو پھر نقش و نگار کی ہوس کرو۔

پہلے ان مثالوں کی نسبت تین امر کو جو بمنزلہ اصول موضوعہ ہیں ثابت کر لو پھر انکو اس قانون مسلم کے برخلاف قرار دو۔ **امر اول** ۔ جن باتمیں تم خلف کے خلاف سلف

کرنے کے مدعی ہو۔ اس بات کا سلف سے بلا خلاف صحیح سند سے مروی ہونا اور سلف سے کسی کا اس بات میں خلاف نکرنا تم ثابت کرو۔ اور اگر سلف سے وہ بات ثابت ہی ہو تو پھر خلف کا اس سے خلاف کرنا کونسی اور کیسے اعتراض کا محل ہے۔

امر دوم۔ یہ کہ جو بات کسی نے سلف صالحین صحابہ و تابعین کے قرارداد کے برخلاف کہی ہو۔ اور اسکے متعلق اسکو علم ہو گیا ہو کہ کل سلف کا قول اسکے برخلاف ہے کوئی سلف میں اسکا موافق نہیں ہے۔ اور پھر اسنے دیدہ دانستہ اس قول سلف کا خلاف کیا ہو۔

امر سوم۔ یہ کہ اس قول مخالف قول سلف کو خلف نے باتفاق کل یا باتفاق اکثر تسلیم کر لیا ہو۔ اور اگر یہ تینوں اصول موضوعہ ثابت نہوں یعنی اولًا وہ قول جس کا خلاف ہوا ہے سلف سے بسند صحیح ثابت نہو یا ہو تو خلف نے عمدًا اسکا خلاف نہ کیا ہو یعنی جس شخص سے اسکا خلاف ہوا ہو۔ اسکو یہ علم نہ ہو کہ سلف نے اسکے برخلاف کہا ہوا ہے اور وہ قول مخالف سلف سے یا خلف نے اس قول مخالف سلف کو باتفاق قبول نہ کیا ہو تو اسکی وہ بات اس قانون مسلم کے برخلاف نہیں ہو سکتی اور ان چاروں یا پانچوں مثالوں میں یہ تینوں امر ثبوت کو نہیں پہونچے۔ ولہذا وہ مثالیں اس قانون سلف کے مخالف تسلیم نہیں کیجا سکتیں میں نے چاہا تھا کہ ان سب مثالوں میں ان امور (اصول موضوعہ) کا پایا نہ جانا ثابت کروں۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ میں اسکی تکلیف کیوں اُٹھاؤں اسکا بار ثبوت تو مدعی پر ہے جو ان مثالوں میں خلف کے خلاف سلف کرنیکا مدعی ہے اور اس وجہ سے اس ثبوت سے تعرض چھوڑ دیا۔ تاہم پہلی اور تیسری مثال کا (جنمیں خاندان غزنوی کو اور مجھکو شامل کیا گیا ہے) مخالف سلف نہ ہونا ثابت کرتا ہوں پہلی مثال آیت ولقد ھمّت بہ پر جملہ کو ختم کہنا اور وھم بھا کو لولا ان رای برھان ربہ کی جزا مقدم یا دال بر جزا قرار دینا جو خلف نے اختیار کیا ہے۔ اور اسی کا اتباع خاکسار نے اشاعۃ السنہ جلد ۱۱ کے صفحہ ۶۷ وصفحہ ۶۰ میں کیا ہے اور اسکی تائید میں دوسری آیت قرآن اور محاورات عرب اور اشعار دواوین جاہلیت کو

وارد کیا ہے) اسمیں امر اول منجملہ اصول موضوعہ پایا نہیں جاتا۔ سلف صحابہ رضی سے بسند صحیح ثابت نہیں ہوا کہ "جملہ وہم بہا پر ختم ہے اور لولا کی جزاء لواقعہا ہے جو محذوف ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا سے ہم بستری کا قصد کر چکے تھے۔ خدا کی طرف سے برہان نہ دیکھتے تو یہ فعل کر بیٹھتے"!

تفسیر وجیز میں کیا ہے۔ قال صاحب البحر ونعم ما قال ان جواب لولا هو عین المقدم او دل علیه المقدم ولیس فی کلام العرب ولا فی قواعد النحو ما ینافی ذلك نحو فارقتك لولا عصمك الله معناه لولا العصمة لفارقت تقدیره ههنا لولا ان رای برهان ربه لهم لكن ما هم لرؤیة برهان ربه ولم یصح من اقوال السلف شیء دال علی همه علیه السلام - وجیز (هامش جامع البیان) ص ۲۰۴

تفسیر ابن جریر میں جو اقوال سلف نقل کئے ہیں وہ صحیح سند سے ثابت نہیں نہ تفسیر ابن جریر ملتزم الصحت ہے (اشاعۃ السنہ صفحہ ۲۲۶ جلد ۲۰ ملاحظہ ہو) اور نہ ابن جریر نے ان اقوال کی صحت کا دعویٰ اور اسکا اثبات کیا ہے۔

دوسری مثال (صفات باری میں خلف کی تاویل کرنے) میں متاخرین سے سلف کا خلاف تو ہوا ہے۔ مگر امر سوم منجملہ اصول موضوعہ پایا نہیں گیا اس خلاف کو متاخرین سے صرف متکلمین نے صحیح سمجھا اور پسند کیا ہے۔ محدثین سے جمہور علماء نے اس کو تسلیم و پسند نہیں کیا۔ یہ امر رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۸ میں اور دیگر رسائل متعلق صفات مولفہ متقدمین و متاخرین میں بتفصیل ثابت ہو چکا ہے۔ خاکسار کی نسبت جو تمنے مذہب تاویل سے دل بستگی رکھنے کا دعوے کیا ہے۔ یہ مثل دروغ گویم بروے تو کا مصداق ہے۔ مینے تو رسالہ جلد ۸ کے صفحہ ۴۰ میں صرف موولین کی تکفیر سے روکا ہے تاویل سے کسی قسم کی دلبستگی کا اظہار نہیں کیا۔

چوتھی مثال (حافظ ابن حزم کے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد الانبیاء افضل الناس کہنے) کو تمام مسلمانوں کے برخلاف کہکر تمنے اسکی یوں تعریف بھی کی ہے کہ یہ ہے حریت۔ یہ ہے آزادی۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تم کو بھی عام

مسلمانوں کے برخلاف حافظ ابن حزم کا یہی قول پسند ہے اس مثال کی نسبت امر سوم (از اصول موضوعہ) کا پایا نہ جانا تمنے خود ظاہر کیا ہے۔ لہذا اس مثال کے ناقابل اعتبار ہونے اور اس قانون مسلم کو توڑنے کے لائق نہ ہونے پر ہم کو اور دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایسی حریت ایسی آزادی کی گمراہی ہونے پر آیت وافی ہدایت ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا کافی دلیل ہے۔

حافظ ابن حزم نے یہ دعوے واعتراف نہیں کیا کہ اس قول میں میرے ساتھ سلف یا خلف سے کوئی مسلمان نہیں۔ لہذا وہ اس آیت کے مصداق نہیں تم اس دعوے کے مدعی ہوکر تمام مسلمانوں کے خلاف کو جائز رکھتے ہو۔ اور اسکی تعریف کرتے ہو۔ لہذا تمکو مصداق آیت مذکورہ قرار دینا تمہار اقبالی ڈگری ہے۔

ہرچند حافظ ابن حزم ظاہری بڑے پایہ کے امام ومجتہد ومحدث تھے۔ جنکی تعریف ہم بھی ضمیمجات اخبار سفیر ہند ۱۸۷۶ء میں کرچکے ہیں مگر بحکم المجتہد یخطی ویصیب وہ بعض متفردات میں خطا بھی کرگئے ہیں۔ اور ایسے متفردات میں اور محدث انکے ساتھ نہیں ہوئے۔ انکے متفردات سے یہ ایک بات بھی ہے کہ وہ تعلیقات صحیح بخاری کو گو بصیغہ جزم ویقین ہوں صحیح نہ مانتے تھے۔ بنا بر علیہ بعض تعلیقات بخاری کو جو حرمت مزامیر میں وارد ہیں وہ غیر صحیح قرار دیکر مزامیر وملاہی (سارنگی طبلہ۔ ڈھول وغیرہ) بجانے کو جائز وحلال کہہ گئے ہیں۔ اور بعض غیر صحیحہ احادیث کو (جیسے عدم رفعیدین میں حدیث ابن مسعود ہے) صحیح بتا گئے ہیں۔ ان کے ان متفردات کو بھی تم حریت کہوگے اور ان میں بھی انکی پیروی کروگے۔ سارنگی طبلہ بجانے کو حلال کہوگے؟ کہوگے تو قوم اہلحدیث سے وہی عزت پاؤگے جو اس فعل کی تحلیل پر ہونی چاہیئے۔

اس امثلہ کے بعد جو تمنے لطیفہ بیان کیا ہے وہ بھی روباہی مکروں کا مجموعہ ہے اسمیں ایک مکر تمہارا یہ کہتا ہے کہ: دھیمی سی آواز ہمارے کانوں میں آیا کرتی ہے کہ

اقوال سلف صالحین سے جس کو چاہو اختیار کرو ان سے الگ بات نہ کہو" یہ بات تو تم کو نقارہ کی چوٹ سے کہی گئی ہے پھر اسکو وہمی آواز کہنا مکر یا تجاہل نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسرا مکر تمہارا یہ سوال کرنا ہے کہ جو بات مجاہد تابعی نے کہی ہے ہم بھی کہینگے تو ہم پر عتاب نہو گا۔ اس مکر و سوال کا جواب یہ ہے کہ جب تک یہ نقل صحیح یہ ثابت نہو کہ مجاہد تابعی نے حضرت ابن عباس رض وغیرہ اصحاب نبوی سے یہ بات کہ "بنی اسرائل کے لوگ واقعی اور سچ مچ بندر و خنزیر بنائے گئے تھے اور پھر وہ ہلاک ہو گئے تھے" سُنکر اور اسکو محفوظ رکھکر اسکے مقابلہ میں یہ تاویل کی تھی کہ "انکے دل بندروں کیسے ہو گئے تھے صورت نہ بدلی تھی" مجاہد پر کسی قسم کا عتاب و طعن نہ ہو گا اور چونکہ تم پر تفاسیر کی اتفاقی نقل سے ابن عباس رض وغیرہ صحابہ سے وہ بات ثابت ہو چکی ہے لہذا تمہارا ابن عباس کی تفسیر کو چھوڑ کر قول مجاہد کو اختیار کرنا یقیناً مورد عتاب ہو گا اور تم کو یہ کہا جائے گا کہ تم نے اپنے مرشد پیر نیچر کی تفسیر کے صفحہ ۱۷ سے یہ بات اخذ کی ہے۔

بیضاوی و رازی وغیرہ مفسرین نے قول مجاہد کو اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے تو اسکی نسبت اپنے رضا و پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اس آیۃ کی تفسیر میں قول ابن عباس رض کو مقدم کیا ہے۔ اور قول مجاہد کو موخر کر کے کم وقعت کر دیا ہے۔ بلکہ امام رازی نے جلد اول تفسیر کے صفحہ ۵۵۵ میں قول مجاہد کو غیر ضروری اور بلا حاجت لکھکر اور بھی کم وقعت و بے اعتبار کر دیا ہے۔ لہذا مفسرین پر اس قول مجاہد کے نقل و بیان کے سبب بھی کوئی عتاب نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مکر تمہارا یہ کہنا ہے کہ ہمکو یہ اصول سُنکر ہنسی آتی ہے کہ کسی کلام کا صحیح یا غلط ہونا قائلین کے لحاظ سے کیوں مانا جاتا ہے۔ اسیکو کہتے ہیں یعرفون الحق بالرجال اس مکر کا جواب یہ ہے۔ یہ اصول جس پر تمکو ہنسی آتی ہے۔ جملہ ادیان سماویہ میں مسلم چلا آتا ہے اور یہی اصول اسلام نے مسلم رکھا ہے۔ اسی سے انبیاء کا اتباع واجب ہوا ہے اور کفار و مبتدعین کا ممنوع اور اسی اصول سے شہادت عدول معتبر ہوئی ہے۔ اور شہادت فساق نا معتبر

مسلمانوں کو سب سے پہلے اس اصول کی تعلیم خدا تعالےٰ نے قرآن میں دی ہے پھر اسکے رسول مقبول ؐ نے حدیث میں پھر آپکے اصحاب اور اُنکے تابعین وغیرہ سلف صالحین نے اپنے آثار و اقوال میں۔

ان سب اقوال کی تفصیل قرآن اور کتب حدیث میں ہے۔ از انجملہ بعض اقوال صحیح مسلم کے دیباچہ میں صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۱ تک منقول ہوئے ہیں۔

ہم اس مقام میں دو قول ایک رسول مقبول کا۔ ایک تابعی رح کا نقل کرتے ہیں آنحضرت

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم باحادیث لم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم وایاھم۔
(صحیح مسلم صفحہ ۹)

صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو فرمایا ہے۔ شتاب میری آخری امت میں ایسے لوگ ہونگے جو تم سے ایسی باتیں کہینگے جو تم نے سنی ہونگی اور نہ تمہارے باپوں نے اپنے آپ کو اُن سے بچایا۔

عن محمد بن سیرین قال ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔
(صحیح مسلم صفحہ ۱۲)

اور محمد بن سیرین تابعی نے فرمایا یہ علم دین ہے پس دیکھو تم اپنا دین کس شخص سے لیتے ہو۔

ان دونوں قولوں میں اشخاص ہی سے حق و ناحق پہچاننے اور اسکو رد یا قبول کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ متعلق روایت ہو خواہ متعلق درایت۔ پس اگر اس اصول پر ہنسی آتی ہے تو یہ ہنسی خدا تعالیٰ اور اسکے آیات اور اسکے رسول مقبول سے ہنسی ہے۔ اور آیت قل اباللہ واٰیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون کی مصداق ہے جسکے بعد ایمان سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ تمہارا ایمان تو بڑا وسیع ہے لہذا تم سے یہ سوال نہیں ہے۔ یہ سوال تمہارے ان مصدقین (ثمرالغایت نمبر۲) سے ہے جو عمر بھر قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں رہے ہیں۔ اور اس شغل میں انکے بال سفید ہوگئے اور دانت گر گئے ہیں۔ اور وہ تمہارے رسالہ میں اس قسم کے کفریات دیکھ کر اس رسالہ کے مصدق ہوگئے ہیں۔ اُن سے ہمارا یہ بھی سوال ہے کہ

کہ کیا آپ لوگوں کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ سمعیات اور دین میں حق کو رجال (رسول مقبول وصحابہ تابعین وغیرہ سلف صالحین) سے نہیں پہچانا جاتا۔ بلکہ حق کو اپنی عقل ورائے سے پہچانکر جن لوگوں میں وہ حق پایا جاوے انکو حقانی سمجھا جاتا ہے۔ کائنا من کان۔

نمبر پنجم میں بھی تمنے گٹ سازی وچال بازی کی ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ نے مختلف اقوال صحابہ میں سب کی تقلید کا واجب نہونا نقل کرکے اسکا مطلب یہ بتایا ہے کہ انکے نزدیک کسی صحابی کی بھی تقلید لازم نہیں۔ حالانکہ انکی کلام کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بصورت اختلاف ہر ایک کی تقلید لازم نہیں۔ انمیں سے کسی نہ کسی کی پیروی یا تقلید لازم ہے۔ انکی کلام کا یہ مطلب تمنے خود صفحہ ۱۴* رسالہ میں بیان کیا ہے پھر صفحہ ۲۰ میں پہنچکر بحکم دروغ گورا حافظہ نباشد۔ اسکو بھول گئے۔ اور اسکا یہ مطلب بتایا کہ کسی صحابی کی تقلید واجب نہیں ہے۔

* صفحہ ۱۴ رسالہ میں تمنے کہا ہے "اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اکیلے اکیلے صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ زمانہ صحابہ کا حق گوئی سے خالی نہو۔ کسی نہ کسی صحابی کا قول صحیح ماننا پڑے گا۔ ورنہ لازم آئے گا۔ کہ تمام اصحاب حق گوئی سے خالی رہے۔ گویا حق ان میں فرد منتشر ہے۔ جو موضوع ہے۔ منتشرہ عامہ کا یعنے متعین نہیں۔

اس بیان میں حافظ ابن تیم رحمۃ اللہ علیہ نے اصل بحث کو صاف کردیا کہ محض کسی صحابی کا قول حجت نہیں۔ بلکہ وہ دوسرے کے ساتھ ملنے سے ہے۔ اس کو علماء اصول "عدم قائل بالفصل" کہتے ہیں۔ اس مسئلہ کو اجماع کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اگر کسی مسئلہ کے متعلق چند اقوال ملتے ہیں۔ تو ان سے۔ پچھلے علماء کو یہ اختیار ہے کہ ان میں جسکو چاہیں اختیار کریں مگر ان سب سے الگ کوئی حکم یا کسی آیت کی تفسیر نکالیں۔ تو یہ جائز نہیں" صفحہ ۲۴۸ میں سے خلاصہ منقول ہوا ہے

فصل چہارم میں جو کچھ تم نے کہا ہے اس میں بھی تدلیس وتلبیس ومغالطات واکاذیب سے کام لیا ہے۔

از انجملہ چند نمبر جن کو تمہارے خارج از مذہب اہل حدیث وداخل فرقہ معتزلہ ہونے میں زیادہ دخل ہے نقل کرکے ان کی مغالطات واکاذیب ظاہر کئے جاتے ہیں۔ باقی کو غیر ضروری سمجھکر نظر انداز کیا جاتا ہے

نمبر اوّل تم نے تفسیر اتقان کے نوع ۷۸ سے چند سطور اس مضمون کی نقل ہیں کہ جو شخص قران کی تفسیر علم لغت وغیرہ علوم آلیہ کے بغیر کرے وہ مفسر بالرائے ہے اور جو ان علوم کے ساتھ تفسیر کرے وہ مفسر بالرای نہوگا اور اس سے اپنے خیال میں تمنے یہ نتیجہ نکالا ہے ”کہ چونکہ میں تفسیر قران لغت کے ساتھ کرتا ہوں چنانچہ تفسیر آیت کو ترامت کثیرہ سے کی ہے ایسی ہی تمام تفسیر لغت سے کی ہے لہذا بحسب شہادت تفسیر اتقان میں مفسر بالرای نہیں ہوں“

نمبر دوم پہلے تم نے صرف زبان سے نہ دل سے[٭] آنحضرت اور ان کی مرفوع حدیث کو تفسیر قرآن ہونے کا حق بوجہ اقدم دیا ہے جس سے اپنے نافہم مصدقین کی آنکھوں پر روغن قاز ملکر اپنا یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ میں آنحضرت اور انکی حدیث کو مفسر قرآن مانتا ہوں۔ پھر دو ہی سطر کے بعد عملاً اسکا خلاف کیا اور صاف کہدیا ہے کہ ”مگر بعض احادیث میں کسی آیت کا تلاوت فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے اس آیۃ کا تفسیر کرکے اسکی تعیین مصداق فرمائی ہے۔ حالانکہ وہ سباق وسیاق آیت کے برخلاف ہوتا ہے۔ پھر اسکی ایک مثال تمنے یہ بیان کی ہے کہ پیغمبر خدا رات کو حضرت فاطمہ اور علیؓ کے پاس آئے اور فرمایا تم رات کو تہجد نہیں پڑھا کرتے۔ حضرت علی نے کہا ہمارے نفس خدا کے قبضہ میں

[٭] بحکم ان اللسان علی الفواد دلیل ۔ تمہارا آئندہ تو نمبر رسالہ اتباع... صفحہ ۳۰ اور صفحہ ۳۵۳ رسالہ ہذا میں منقول ہے اسی دلیل سے کہ دل سے تم حدیث آنحضرت کو تفسیر قرآن ہونے کا حق نہیں دیتے۔

ہوتے ہیں۔ جب وہ چاہیگا تو ہمیں اٹھا دے گا۔

یہہ سنکر حضور واپس پھرے اور یہ فرماتے تھے۔ کان الانسان اکثر شئ جدلاً۔ اور پھر اس حدیث کے مفسر قرآن ہونے کے ثبوت میں تمنے کہا ہے کوئی اہل ایمان باور کر سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا اس آیت کے پڑہنے سے آیت کی تفسیر کرنا اور تعیین مصداق بتلانا تھا۔ بلکہ آپنے اس آیت کے پڑہنے سے اس جواب پر اظہار ناراضگی کیا اور اشارہ فرمایا کہ یہ جواب پسندیدہ نہیں۔ اور پھر دوسری مثال تمنے آنحضرت کی وہ حدیث بیان کی ہے جس میں ذکر ہے کہ جب آیت تطہیر البیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسنینؓ کو ایک کپڑے میں لے کر جناب باری میں یہ عرض کی۔ یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ تو ان کو پاک کر دے۔

اور پھر تمنے کہا ہے کہ یہ حدیث سباق و سیاق بلکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ اسلیئے مفسرین (صاحب معالم و خازن وغیرہ) نے اس حدیث کو مفسر آیت تطہیر اور علیؓ و فاطمہ اور حسنینؓ کو مصداق البیت نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ صرف ازواج کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ جسکی وجہ یہی ہے کہ اس حدیث کو سباق قرآن کے بر خلاف سمجھا۔ پھر تم نے اس زبانی اقرار سے (کہ آنحضرت اور آنکی حدیث مرفوع بوجہ اتم مفسر قرآن ہونیکا حق رکھتی ہیں) بھی انکار کر دیا۔ اور صاف کہدیا کہ حدیث کو تفسیر قرآن ہونے کا حق حاصل ہے۔ مگر اسوقت جبکہ قرآن کی آیت مجمل ہو اور اگر مفصل صریحہ ہے۔ اور حدیث اس آیت کے سباق کے بر خلاف ہے تو حدیث قابل تاویل ہے یعنی پھر وہ مفسر قرآن نہیں ہو سکتی۔ اس رسالہ میں تو تم مرفوع حدیث کی تفسیر قرآن نہ ہونے کی وہی مثالیں لائے ہو اور رسالہ آیات متشابہات میں تمنے دو مثالیں اور بھی ذکر کی ہیں۔ ایک حدیث تفسیر آیت کو ترکہ

کوثر سے حوض کوثر مراد ہے۔ اور دوسری حدیث آیت تفسیر مسجد تقوےٰ کہ اس سے آپکی مسجد مراد ہے۔ پھر تمنے اس رسالہ آیات متشابہات میں کہا ہے کہ اس قسم کی اور بھی کئی حدیثیں آئی ہیں جو قرآن مجید کے سباق و سیاق سے الگ تھلگ تفسیر بتلاتی ہیں وہ درحقیقت تفسیر قرآن نہیں ہوسکتیں۔ جیسے تفسیر حدیث آیت رباط کہ اس سے ایک نماز سے دوسری تک انتظار کرنا مراد خداوندی ہے۔

یہ تو سنا نیو ! ثنائی پارٹی کے ممبرو۔ ثناء اللہ کے حامیو! اسکے رسالہ رد اتباع سلف کے **مصدقو**! فیصلہ آرہ کے منصفو! اب تو اسکا بھانڈا میدان میں پھوڑا گیا۔ اب بھی شک کروگے اور کہوگے کہ ثناء اللہ بعض احادیث نبویہ کے مفسر قرآن ہونے کا منکر نہیں ہے؟ اور اسکا وہ زبانی اقرار دلی اعتقاد کے مخالف نہیں ہے۔

نمبر سوم۔ پھر تمنے مقدمہ تاریخ ابن خلدون سے یہ بات کہ متقدمین کی منقولی تفسیریں غلط اور صحیح ہر قسم کی روایات سے بھری پڑی ہیں نقل کرکے تفسیر سلف سے انکار کرنے کے لیئے تمہید جمائی اور یہ بات کہی ہے کہ پھر جو شخص ان روایات پر مدار مذہب قرار دے وہ اہل علم کی نگاہ میں اہل علم ہوسکتا ہے؟ یہ کہکر اپنے مصدقین رسالہ کی آنکھوں پر روغن قاز ملکر اُن کو جملہ تفاسیر متقدمین و سلف صالحین سے بے اعتقاد کرکے تمنے کہا ہے کہ اب ہم بتلاتے ہیں۔ کہ فن تفسیر میں سلف کی تقلید خلف نے کہاں تک واجب قرار دی ہے۔ پھر تمنے سلف کے برخلاف خلف کی تفسیر قرآن کرنے کی چار مثالیں ذکر کی ہیں (۱) تفسیر آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا (۲) تفسیر آیت هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔ (۳) تفسیر آیت استواء (۴) تفسیر مسخ بنی اسرائیل اور پانچویں مثال سلف کے برخلاف ابن حزم کا اعتقاد افضلیت ازواج نبی۔ یہ تمہاری فصل چہارم کے اٹھارہ صفحہ کا

خلاصہ مطالب لائق تعرض ہے اب ان نمبروں کے مغالطات واکاذیب کی تفصیل سنو۔

نمبر اول میں جو تم نے کہا ہے وہ کلمۂ حق ارید بہا الباطل!! کا مصداق ہے۔ بے شک اور بلا اختلاف علم لغت وغیرہ علوم الیہ عربیہ کے بغیر مفسر قرآن بننا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص ان علوم سے بے علم ہو کر مفسر قرآن بن بیٹھے وہ مفسر بالرائے ہے اور یہی صاحب تفسیر اتقان کی کلام مذکور سے غرض ومقصود ہے۔ مگر صاحب اتقان یا کسی اور اہل علم مسلمان سنی کا یہ قول واعتقاد نہیں ہے کہ مجرد لغت وغیرہ علوم عربیہ کی مدد سے تفسیر قرآن جائز ہے اور تفسیر قرآن کے لیے تفسیر حدیث نبوی اور آثار سلفی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت واجب نہیں ہے جیسا کہ تمہارا اعتقاد وعمل وادعا ہے۔ اور اس پر تمہاری تفسیر عربی اور رسالہ آیات متشابہات اور رسالہ اتباع سلف اور رسالہ ترک اسلام شاہد ہیں۔ اس اصول وعمل واعتقاد کو صاحب اتقان وغیرہ اعیان اہلسنت نے معتزلہ وغیرہ ملاحدہ کا عمل واعتقاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر اتقان کے نوع ۷۸ میں جس سے تھوڑی سی عبارت تم حوالہ ہو بصفحہ (۵۳۵ و ۵۳۶) کیا ہے۔

فاکثر ما فیہ الخطاء من جہتین احدہما انہم اعتقدوا معانی ثم حملوا لفظ القرآن علیہا والثانی قوم فسروا القرآن بمجرد ما یسوغ ان یریدہ من الناطقین بلغۃ العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن والمنزل علیہ والمخاطب بہ الی ان قال فان الصحابۃ والتابعین والائمۃ اذا کان لہم فی الآیۃ تفسیر وجاء قوم فسروا الآیۃ بقول آخر لاجل مذہب اعتقدوہ وذلک المذہب لیس من مذہب الصحابۃ والتابعین صار مشارکا

للمعتزلة وغيرهم من اهل البدعة في مثل هذا وفي الجملة من عدل عن مذهب الصحابة والتابعين الى ما يخالف كان مخطئاً في ذلك بل مبتدعاً۔

اس مضمون کو تفسیر اتقان میں صفحہ ۵۳۵ سے صفحہ ۵۴۴ تک ادا کیا ہے اور اپنے بیان کی تائید میں اکابر اہلسنت ابوطالب طبری۔ زرکشی ابن تیمیہ ابن الانباری وغیرہ ائمہ کی کلام کو نقل کیا ہے۔ ان سب کی عبارات اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ میں صفحہ ۲۷۹ سے صفحہ ۲۹۴ تک منقول ہیں۔

تمنے اس جلد میں ان عبارات کو دیکھکر اور انمیں اپنے اس اصول وعمل واعتقاد کا رد معائنہ ومشاہدہ کر کے پھر اس اصول کا اس رسالہ اتباع میں اعادہ کیا ہے اور دنیا وآخرت کی شرم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ہم ان عبارات کا اس مقام میں اعادہ کرنے کو فضول جانتے ہیں۔ تمہارے رسالہ کے مصدقین سے جن کے پاس وہ جلد ۱۲ پہنچ چکی ہے اور پھر انہوں نے اس میں تمہارے اس اصول وعمل واعتقاد اور اسکے امثلہ مذکورہ کا رد ملاحظہ کر کے اس رسالہ اتباع کی تصدیق کی ہے۔ دو کمال افسوس کا محل ہیں۔ ان میں سے جن کو رسالہ اشاعۃ السنہ بلا قیمت دیا جاتا ہے آئندہ انکا رسالہ بند کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ وہ اب اس رسالہ کے مستحق نہیں رہے۔ وہ جلد ۱۲ سے نفع نہیں اوٹھا سکے تو آئندہ اس رسالہ سے کیا نفع اوٹھائیں گے

نمبر ۵ وہ ہیں جو تمنے حضرت علی کے جواب مذکور پر آنحضرت ؐ کے آیت قرآن پڑھنے کو تفسیر قرار دینا خلاف ایمان قرار دیا ہے۔ اسمیں تمنے آنحضرت ؐ کی نسبت اپنے اس یقین وایمان کا اظہار کیا ہے کہ آپنے اس آیت کے لفظ جدل کا معنے ومفہوم نہ سمجھا تھا۔ اور اسوجہ سے اس آیت کو بے محل وبے موقعہ پڑھ دیا تھا۔ مگر جسکے دلمیں آنحضرت ؐ کی نبوت

اور لغت عرب کو اور معانی قرآن کو بخوبی سمجھنے کا ایمان و اعتقاد ہوگا وہ یقین کریگا کہ اگرچہ اس آیت کا اصل مورد نزول اور اصلی مصداق کوئی اور شخص یا اشخاص تھے مگر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کے جواب مذکور کو اسی جدل کا ایک فرد قرار دیا ہے جس کی مذمت اس آیت میں پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے آپ کے اس جواب پر اظہار ناراضگی کیا۔ اور اس کو ناپسندیدہ قرار دیا جس کے تم بھی معترف ہو گئے ہو۔ لہذا آپ کا اس آیت کو پڑھنا جا رہا موقعہ ہوگیا جدل کے معنی قدیم لغت عرب میں اور جدید اصطلاح فن مناظرہ میں یہی مشہور ہیں کہ انسان دوسرے کے مقابلہ میں ایسا کلام پیش کردے جس سے اس کو دوسرے کا اسکات مقصود ہو حضرت علیؓ پر جو آنحضرتؐ نے بطور نصیحت نماز تہجد نہ پڑھنے کا اعتراض کیا تو اس کا صحیح و منصفانہ جواب آپ کا یہ کہنا تھا کہ یا حضرتؐ یہ ہماری تقصیر نفس ہے آیندہ ہم کوشش کرینگے کہ نماز تہجد پڑھیں۔ حضرت علیؓ نے بمقضائے بشریت بجائے اس کے آنحضرت کے حضور میں ایک ایسا مسئلہ (کہ ہمارے نفس خدا کے اختیار میں ہیں) پیش کردیا جو آپنے آنحضرتؐ ہی سے سیکھا ہوا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے علم میں آنحضرت کو اس مسئلہ کا علم سب سے پہلے حاصل تھا پھر جو حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اعتراض کے بچانے کے لیئے اس تحصیل حاصل کی طرف رجوع کیا تو یقیناً آپ کا مقصود اس مسئلہ کے بیان و اظہار سے آنحضرت کے سکوت فرمانے کا قصد تھا جو عین مفہوم جدل ہے۔ اس صورت میں کون اہل ایمان باور کرسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کا حضرت علیؓ کے جواب مذکور کو جدل قرار دینا۔ اور دیگر مصادیق آیت کے ساتھ اس جواب علی مرتضیٰؓ کو شامل کرنا اور منجملہ تفاسیر آیت اسکو بھی ایک تفسیر ٹھیرانا بے موقعہ و بے محل تھا۔ یہ اسی شخص کا کام ہے جو آنحضرتؐ کی نسبت نبوت کا دلی ایمان و یقین نہ رکھتا ہو۔ بلکہ عام عربی دانی و سخن فہمی کا بھی اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ اور یہ سمجھتا ہو کہ آپ کسی یونیورسٹی سے سند فضیلت حاصل نہ کرنے کے سبب اور عربی لغت و سیاق و سباق آیات کا پورا علم و حقیت نہ رکھنے کے سبب یونہی بلا موقعہ بے محل آیات قرآن پڑھ دیا کرتے تھے

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کفرا۔

اس مثال کے بعد جو دوسری مثال ہیں اس رسالہ اتباع میں اور تیسری اور چوتھے اور پانچویں

مثالون میں رسالہ آیات متشابہات وغیرہ مین تمنے دہوکہ دہی و دروغ گوئی کی ہے۔

اس کا بیان تفصیل کے ساتھ اشاعۃ السنۃ جلد۲۰ میں صفحہ ۱۲۲ اور جلد ۲۱ مین صفحہ ۱۳۵ وغیرہ دیا گیا ہے۔ تم نے اُن جلدوں میں ان مغالطات کا بیان دیکھ کر رسالہ اتباع میں اس مثال کا اعادہ کیا ہے ہم اپنے بیان کا اعادہ نہیں کرتے۔ طالب شائق مواضع محولہ کی طرف مراجعت کری

اس مقام میں اُس تفصیل کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جلد۲۰ کے صفحہ ۱۲۲ میں حدیث حوض کوثر کا مفسر آیت کوثر ہونا تفسیر فتح البیان وغیرہ سے ثابت کیا ہے۔ جسکے مفسر قرآن ہونے کو مثل اذا جاء نصر اللہ بطل نھر معقل کا مصداق ٹھہرا کر باقی سب تفسیروں کو جو صرف لغت پر مبنی ہیں کان لم یکن قرار دیا گیا ہے۔ اور جلد ۲۱ کے صفحہ ۱۳۵ میں اولاد نبوی کو بوجہ اقدم مصداق اہلبیت ہونا اکثر تفسیروں (معالم۔ خازن۔ ابن کثیر۔ جامع البیان۔ تفسیر کبیر وغیرہ) سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اسکی صفحہ ۱۳۶ میں حدیث مسجدی ہذا کا فرد کامل مسجد تقوی کا ہونا تفسیروں سے نقل کرکے اسپر تمہارے اس سوال وخیال کا اگر مفسرین ان احادیث کو مصداق الفاظ آیت مانتے تو ان الفاظ (اولاد نبی اور مسجد نبوی) کو فرد کامل کیوں کہتے!! ایسا جواب دیا ہے جس سے تمہارا علم اصول و منطق سے ناواقف ہونا ثابت ہوتا ہے اور کلی مشکک کے افراد واوصاف کو نہ سمجھنا۔

نمبر سوم میں جو تمنے مقدمہ تاریخ ابن خلدون کی عبارت نقل کرکے اس سے ایک تمہید جمائی اور اس سے یہ بات نکالی ہے کہ متقدمین و سلف صالحین کی جملہ تفاسیر بے اعتبار ہیں یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ سلف سے بہت سا حصہ تفسیر کا قابل اعتبار بھی ہے۔ تم نامعتبر تفسیر کی تفصیل کرتے تو ہم بھی اسکے مقابلہ میں صحیح و قابل اعتبار تفسیر کی تفصیل کرتے۔ اسکے بعد جو تمنے پانچ مثالین بیان کی ہیں جنمیں تمہارے زعم میں خلف نے سلف کا خلاف کیا ہے۔ ان مثالوں میں تمہاری دہوکہ بازی و دروغ گوئی کا اظہار نمبر چہارم فصل سوم کے مغالطات کے ضمن میں ہو چکا ہے ناظرین صفحہ ۳۲۴ کو دیکھیں۔

ان مثالوں میں تمنے کہیں کذب

صریح سے اور کہیں مغالطہ سے کام لیا ہے۔

فصل پنجم میں جو تم نے کہا ہے اسمیں ہمارے تعرض کے لائق اور ہماری غرض کے متعلق صرف تمہاری دو باتیں ہیں۔ جو ایک دوسرے کی مکذب ہیں۔ پہلے تم نے صفحہ ۳۰ رسالہ میں اصحاب نبوی کا طریق عمل یہ بتایا ہے کہ بعض انمیں سے بظاہر کتاب وسنت پر عامل ہوتے اور بعض ان کے دقائق فقہیہ بھی سوچا کرتے پھر صفحہ ۳۰ میں کہا ہے کہ اسی بنیاد پر بعض روایت حدیثیہ کے بیان کر دینے کو کافی جانتے اور بعض اُس کے برعکس الفاظ حدیث بیان کرنے سے پرہیز کرتے اور بجائے اُس کے مسائل فقہیہ (جو ان کی سمجھ میں آتے) بلا ذکر الفاظ حدیث) تبلادیتے۔

اس بیان میں صاف اقرار ہے کہ زمانہ صحابہ میں ایسے مفتی بھی ہوتے جو الفاظ حدیثیہ بیان نہ کرتے۔ بلکہ احادیث سے مستنبط مسائل لوگوں کو بتا دیتے اس بیان کا لازمہ نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو فقہاء صحابہ مسائل فقہیہ بلا ذکر احادیث تبادیتے وہ انہی کے بیان کردہ مسائل پر کاربند ہو جاتے اور یہی بعینہ تقلید ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔ اور آخر اس کے قائل ہو گئے اور مثل فر من المطر وقام تحت المیزاب کے مصداق بن گئے۔ پھر اس بیان کے برخلاف تم نے صفحہ ۴۱ وصفحہ ۴۲ رسالہ میں کہا ہے کہ ائمہ اربعہ نے الگ الگ فرداً فرداً اپنی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ اور عبداللہ بن معتمر نے کہا ہے کہ "مقلد اور چوپایہ میں کوئی فرق نہیں ہے"۔ ان اقوال سے تم نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے۔ کہ تقلید شخصی ایک ایک کی مذموم ٹھہری تو اس سے جمہور وجماعت کی تقلید بھی مذموم ہو گئی تقلید شخصی کے منکر اور تقلید جمہوری کے قائل غور کریں۔ پھر کہا ہے۔ مزید کے لیے آئندہ فصل (نمبر ۶) ملاحظہ ہو۔

اس بیان میں عوام کے لیے تقلید خواص کرنے کی مذمت کرنے میں جو مغالطہ ہے وہ تو تمہارے بیان سابق سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ جبکہ تم پہلے بیان

کرچکے ہو۔ کہ بعض اصحاب نبوی بلا ذکر احادیث مسائل فقہیہ بتاتے اور اُس کا لازمہ نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بلا سُنے احادیث کے ان مسائل پر عمل کرتے تو پھر عوام کے لیے تقلید خواص کے مذموم ہونیکے کیا معنے۔ اب رہے خواص جو دلائل شرعیہ کیطرف خود رجوع کرسکتے ہیں اور کتاب وسنت میں نظر رکھتے ہیں تو اُن کے لیے ضرورت تقلید کا ہمارے گروہ اہلحدیث میں قائل ہی کون ہے جسکو تم الزام دیتے ہو ایسی ہی خواص کو ائمہ اربعہ اور عبداللہ بن معتمر نے تقلید سے منع کیا ہے۔ اور اس تقلید کی ممانعت ومذمت میں اقوال علماء معیار الحق ومنح الباری وتبیان ورسالہ اشاعۃ السنۃ میں بھری ہوئی ہیں تم تو آج پیدا ہوئے ہو علماء کے لیے تقلید بوقت موجودگی نصوص کی بیخ کنی رسائل مذکورہ میں تو تمہارے تولد سے سالہا سال پہلے ہو چکی ہے۔

ہاں بوقت عدم وجدان وعدم تیسر نصوص تقلید مجتہدین واجب اور جائز ہے واجب مطلق تقلید (یا جمہوری تقلید ہے جو جماعت متفقہ صحابہ وتابعین کی ہو) اور تقلید جائز شخصی تقلید ہے (بشرطیکہ باعتقاد وجوب نہ ہو صرف باباحت صلیہ نہ باباحت شرعیہ مباح سمجھی جاوے) شخص واحد خطا سے معصوم نہیں ہوتا۔ اسلیئے شخصی تقلید واجب نہیں اور اُمت اور جماعت اپنے اتفاق کی وجہ سے معصوم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تقلید اجماع واجب ہے مزید کے لیئے جواب فصل آیندہ ملاحظہ ہو۔

فصل ششم میں تو تم نے غضب ہی ڈھایا ہے اور بڑا اندھیر مچایا ہے جس اجماع واتفاق پر اصول مذہب اہلحدیث کی بنا تھی اسیکو کان لم یکن کردیا جس کا لازمہ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو تمہاری بات کو تسلیم کرے گا وہ آخر ایک نہ ایک دن مذہب چکڑالوی اختیار کرکے حدیث سے صاف منکر ہو جائے گا۔ بلکہ قرآن مجید سے بھی انکاری ہوکر اسلام چھوڑ کر لا مذہب دہریہ بن جائے گا (عیاذاً باللہ تعالیٰ) تم تو نہو نے سمجھ اور

ناعاقبت اندیش لونڈے ہو۔ تعجب اور رونا تو تمہارے سفید ریش مصدقین پر آتا ہے۔ جنہوں نے تمہارے اس مضمون رسالہ کی تصدیق کر دی ہے۔ اور یہ نہ سوچا کہ اگر اجماع لائق اعتبار نہ ہا۔ تو پھر مذہب اہلحدیث کا کیا اعتبار رہے گا جس کی بنا ہی اس اجماع پر ہے۔ کہ صحیحین میں جو حدیث مرفوع متصل ہے وہ (بجز چند الفاظ جنپر دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے) اجماع موافق ومخالف فقیہ ومحدث سے صحیح ہے۔ اس دعوے اجماع کو ہم دروغ سمجھینگے (جیسا کہ تمہارا زعم وخیال ہے) تو حدیث کی صحت کہاں سے معلوم کریں گے۔ کیا اپنے اجتہاد وتحقیق سے جو بقول امام ابن الصلاح سات سو برس سے منقطع ہے۔ (علوم الحدیث مشہور بمقدمہ ابن الصلاح دیکھو) کیا اسوقت روے زمین پر اور اسلامی دنیا میں کوئی شخص موجود ہی جو اپنے اجتہاد سے حدیث کی تصحیح کر سکے۔ نہیں تو مذہب اہل حدیث پر کس طور پر چل سکیگا۔ مذہب اہلحدیث کیا۔ دین اسلام کی بہت سے مسائل کی بنا اسی اجماع پر ہے۔ اسی کتاب مسلم میں (جس سے تمنے اجماع کا محال ہونا۔ پھر اسکے علم کا محال ہونا۔ پھر اس علم کے تم تک پہنچنے کا محال ہونا معتزلہ اور شیعہ کے اقوال سے نقل کیا ہے) اس بیان کے آخر میں استاذ ابو اسحق اسفرائینی سے نقل کیا ہے۔ کہ اسلام میں مسائل

> قال الاسفرائینی نحن نعلم ان المسائل الاجماع اکثر من عشرین الف مسئلۃ (مسلم)

اجماع بیس ہزار سے زائد ہیں۔ اس تعداد کو کوئی بدگمان ناپاک مطلق غیر مقلد مبالغہ سمجھے تو سینکڑوں کی تعداد تو کتب متداولہ میزان شعرانی وغیرہ فقہ وخلافیات میں دیکھ لے۔

انکار اجماع کے اس بدنتیجہ اور انجام کو سنکر اور سوچکر امید ہے کہ مذہب اہلحدیث اور دین اسلام کو خشیۃ اللہ اور دیانت سے تسلیم کرنے والے تو تمہارے دعاوی فصل ششم کے فساد وبطلان پر ہمارے اسقدر

بیان کو کافی دلیل سمجھینگے۔ مگر جو لوگ مذہب اہلحدیث کو ترک مطلق تقلید کے نشہ اور شوق سے اور آزادی و خود اجتہادی کی لذت سے بحکم کُلّ جدید لذیذ اختیار کر چکے ہیں اُن سے بعید نہیں کہ وہ اس بد نتیجہ اور اس مشکل کے (جو ہمنے بیان کی ہے) جواب میں یہ کہدیں کہ اجماع سے انکار کرنے سے مذہب اہلحدیث اور اسکا مبنی و مدار صحیح حدیث ہاتھ سے جاتی رہے یا اسلام چلتا نظر آوے تو ہماری بلا سے۔ ہمکو تکلیف احکام سنت و اسلام سے نجات ملے گی۔ اور مطلق العنانی حاصل ہوگی ٭ بھلا ہوا میری مالا ٹوٹی۔ تو میں بھجن کرن سے چھوٹی ٭ لہذا ہم ان مشکلات کو کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے وکیل وہادی پہلوان امرتسری کے اعتراضات کا جواب ترکی بترکی دوگے تو ہم تمہاری بات کو سنینگے اور مانینگے۔

ان آزاد منش مجتہدین بلا علم کی ہدایت و فہمایش کی غرض سے ہم اس فصل میں کی چند نمبر مغالطات و اکاذیب نقل کرکے اسکا جواب ترکی بترکی دیتے ہیں ٭

نمبر اوّل۔ تمنے کہا ہے کہ ہم اجماع کی حجیت شرعی ہونے سے بحث نہیں کرتے بلکہ ماہیت و دیگر عوارض کا ذکر کرتے ہیں ٭

الجواب۔ یہ تمہاری ابلہ فریبی اور مکاری ہے حجیّت اجماع سے صاف انکار کرنے سے واقعی متبعین سنت کی نظروں میں تمہاری قلعی کھلتی تھی اسلیئے تمنے اجماع کی حجیت کی نسبت اپنا خیال ظاہر نکیا۔ بلکہ مسلم و اعلام سے اقوال

٭ چنانچہ چکڑالوی کے ایک خاص شاگرد نے ایسا ہی کہا تھا۔ جب اسکو کہا گیا کہ تم حدیث صحیح کو مفسر و مبیّن احکام قرآن نہ مانوگے تو تسے نماز روزہ حج و زکوٰۃ غسل وضو سبھی کچھ چھوٹ جائے گا کیونکہ ان احکام کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ حدیث ہی میں ملتی ہے۔ تو وہ بولا کہ اگر قرآن میں تفصیل نہ ملے گی تو ہم سبھی کچھ چھوڑ دیں گے۔

غیر کو جن کا رد وجواب ان ہی کتابوں میں ہو چکا تھا۔ بلا نقل جواب نقل کرکے اسکی تشریح اس طرح کردی جس سے احمقوں کو اور نافہموں کو گو ان میں سی بعض تمام درسی کتابیں گھول کرپی گئی ہوں یہ سمجھ میں آگیا کہ اجماع ایک محال ونا ممکن چیز ہے اور اگر ممکن ہو تو اسکا علم حاصل ہونا محال ہے۔ اور اگر علم ممکن ہو تو اسکی نقل ہم تک پہنچنا محال ہے۔ اور یہی بات ان احمقوں کے خیال میں جمانا تمہارا مقصود تھا۔ جو تمنے حاصل کرلیا۔ پہر بحث حجیت کی ضرورت کیا باقی رہی۔

نمبر دوم۔ پہر تمنے اجماع کی یہ تعریف کی کہ "وہ امت محمدیہ کے مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کرنے کا نام ہے" بیان کرکے کہا ہے کہ اس تعریف سے یہ مشکلات محسوس ہو رہے ہیں۔ کہ تمام مجتہدین ایک وقت کا اتفاق ایک فرضی وذہنی امر ہے۔ نہ واقعی۔ تمام مجتہدین کا علم کس کو ہو ایک جگہ بیٹھکر ایک دوسرے کی بات سنکر اتفاق کیسے کریں۔ امام احمد نے ان ہی مشکلات پر نظر کرکے یہ کہا ہے کہ جو شخص اجماع کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ مسلم و اعلام میں کہا ہے۔

الجواب یہ تمہارا محض دروغ ہے۔ اور امام احمد وصاحب اعلام وصاحب مسلّم پر افترا ہے۔ نہ امام احمدرح نے ان مشکلات کی نظر سے اجماع شرعی کا انکار کیا ہے۔ نہ صاحب مسلّم وصاحب اعلام نے امام احمدرح سے ان مشکلات کی وجہ سے انکار اجماع شرعی نقل کیا ہے۔

امام احمدرح اجماع شرعی کو ایک حجت شرعی جانتے ہیں۔ اور مدعی اجماع کو جھوٹا کہنا انسے مسلّم واعلام میں نقل کیا گیا ہے۔ تو وہ اس ادعائی وخیالی اجماع کی نسبت ہے جو صحیح حدیث کے رد ومقابلہ میں بعض لوگ پیش کیا کرتے یا وہ اجماع جسکا ناقل کوئی ایک شخص ہوتا اور کوئی دوسرا اسکی تصدیق نکرتا۔ یہ بات ہمنے از خود نہیں تجویز کی۔ بلکہ صاحب مسلم وصاحب اعلام خود

لکھ گئے ہیں۔ جسکو تم نے سرقہ کرکے جہلا اور نام کے علمار مگر اغبیا کو دہوکہ دیا ہے۔ مسلم میں کہا ہے کہ چاروں دلائل شرعیہ (کتاب اللہ سنت واجماع۔ قیاس) پر چاروں امام کا اتفاق ہے۔ اس عبارت کو

> وللاربعۃ علے الاربعۃ اتفاق۔
> (مسلم)

پڑھکر کوئی صاحب فہم وشرم کب کہہ سکتا ہے کہ امام احمد اجماع شرعی سے منکر ہیں

آب اس سے بڑھکر اس قول امام احمد کی نسبت صاحب مسلم کا خیال ومقال سنو۔ صاحب مسلم نے کہا ہے کہ امام احمد رح کا قول جو معتزلہ وشیعہ نے معرض استدلال واستشہاد میں پیش کیا ہے کہ جو مدعی اجماع ہے وہ کاذب ہی اس قول کا محل وہ اجماع ہے جسکی اطلاع اکیلے اس شخص کو ہو

> قول احمد محمول علے انفراد اطلاع
> ناقلہ اوحد وثہ الاٰن فانہ احتج
> بہ فی مواضع ۔۔۔ ھذا۔
> (مسلم)

جو اس کو نقل کرتا ہے یا وہ اجماع ہے جو نیا پیدا ہو یعنی زمانہ قدیم وسلف صالحین اسکا نام ونشان نہو یہ اس لیے محل بتایا گیا ہے کہ امام احمد رح بہت جگہ اجماع شرعی سے استدلال کرچکے ہیں۔

اس کے بعد صاحب مسلم نے وہ قول ابو اسحاق اسفرائنی کا نقل کیا ہے جو اوپر منقول ہوا ہے۔ اور اس کے بعد کہا ہے کہ اس جواب قول امام احمد کو خوب تھامے رہو یعنی کسی معتزلہ یا شیعہ کے استدلال سے دہوکا نہ کھاؤ۔

اور اعلام میں کہا ہے کہ امام احمد کے فتوے پانچ اصول پر مبنی ہوتے تھے ایک نصوص (قرآن حدیث) جب وہ قرآن وحدیث میں کوئی صاف حکم پاتے تو اس کے موجب وموافق پر فتوے دیتے اور کسی قول یا شخص کی جو اس کے مخالف ہوتا پروانہ کرتے اور حدیث صحیح پر کسی عمل یا رائے یا قیاس یا قول صحابی کو مقدم نہ

> وکان فتاویہ مبنیۃ علی خمسۃ اصول
> (احدھا) النصوص فاذا وجد النص افتی
> بموجبہ ولم یلتفت الی ما خالفہ ولا

مَن خالف كائناً من كان ولم يكن يقدم على الحديث الصحيح عملاً ولا رايًا ولا قياسًا ولا قول صاحب ولا عدم علمه بالمخالف الذى يسميه كثير من الناس اجماعًا ويقدمونه على الحديث الصحيح وقد كذب احمد من ادعى هذا الاجماع ولم يسغ تقديمه على الحديث الثابت وكذلك الشافعى ايضًا نص فى رسالته الجديدة على ان مالا يعلم فيه بخلاف لا يقال له اجماع ولفظه مالا يعلم فيه خلاف فليس اجماعًا وقال عبدالله بن احمد بن حنبل سمعت ابى يقول مايدعى فيه الرجل الاجماع فهو كذب من ادعى الاجماع فهو كاذب وهذا هو الذى انكره الامام احمد والشافعى فى دعوى الاجماع لا ما يظنه بعض الناس انه استبعاد لوجوده (اعلام صـ ۳۲ ج ۱)

کرتے اور اس قول صحابی کے مخالف قول یا شخص کے علم نہونے کو (جس کا بعض لوگ اجماع نام رکھ لیتے ہیں اور اسکو حدیث صحیح پر مقدم کرتے ہیں) حدیث صحیح پر مقدم نہ کرتے اور اس اجماع کے مدعی کو وہ دروغ گو کہتے اور ایسے اجماع کی تقدیم حدیث پر جائز نہ رکھتے ایسے ہی امام شافعی بھی اپنے رسالہ جدیدہ میں تصریح کر چکے ہیں کہ جس قول میں خلاف کا علم نہو اس کو اجماع نہیں کہا جاتا یہ بعینہٖ امام شافعی کے الفاظ ہیں اور عبداللہ بن احمد نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ امام احمد کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایسے اجماع کا دعوے کذب ہے، جو مدعی اجماع ہو وہ کاذب ہے۔

امام احمد کے اور دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اس سے اعلےٰ تر ہیں کہ اُسپر وہمی خیالی اجماعوں کو مقدم کیا جائے اور اگر یہ امر جائز رکھا جاوے تو نصوص بیکار ہو جاویں اور ہر شخص کے لیے (جس کو اپنے خیالی مسئلہ کے مخالف کا علم نہو)، جائز ہو جاوے کہ وہ اپنے اس جہل کو احادیث پر مقدم کرلے ایسے ہی اجماع مبنی بر جہالت علم مخالف سے امام احمد اور امام شافعی نے انکار کیا ہے۔ نہ یہ کہ اجماع کے وجود کو مستبعد و محال سمجھا ہو جیسے بعض لوگوں (شیعہ و معتزلہ) نے گمان کیا ہے۔

کہو بیٹا! اعلام کی اس عبارت میں یہ تفصیل کہ امام احمد نے وجود شرعی اجماع سے استبعاد و انکار نہیں کیا۔ بلکہ اس خیالی وہمی اجماع سے کیا ہے جو ایک شخص یا اشخاص کے اقوال مخالف نص کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے خلاف کا علم ہمکو نہیں ہوا تو یہی اجماع ہے اور اس قول کو حدیث پر مقدم کرنا جائز ہے۔ دیکھکر تمنے امام احمد کے قول مذکور کو انکار وجود اجماع صحیح شرعی کی سند میں پیش کیا ہے۔ یہ دروغ گوئی یاد ہو کہ وہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا یہ نتیجہ ترک مطلق تقلید اور اختیار اجتہاد سراپا الحاد نہیں ہے! خدا اس سے صادق اہلحدیث متبعین سنت سید المرسلین کو بچاوے۔ ہمارے بھولے بھالے نواب صاحب بھوپال بھی اس قول امام احمد کے صحیح معنے سمجھنے سے پہلے اور راہ راست سے چلے تھے۔ آپنے رسالہ حصول المامون میں (جس کا اکثر حصہ ارشاد الفحول شوکانی سے مسروق ہے۔ جیسے کہ انکی تفسیر فتح البیان تفسیر فتح القدیر شوکانی سے اور مسک الختام۔ بدر التمام وغیرہ سے) امام احمد کے اس قول پر ترجم فرماتے اور یوں کہتے ہیں۔ رحمہ اللہ الامام احمد بن حنبل فانہ قال من ادعی الاجماع فھو کاذب۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ پھر وہ اصفہانی کی تقلید سے صحابہ کے اجماع کے وجود اور اسکے علم کو جائز تسلیم کر گئے۔ چنانچہ بعد نقل قول مذکور امام احمد لکھ گئے ہیں۔ وجعل الاصفہانی الخلاف فی غیر اجماع الصحابۃ وقال الحق تعذر الاطلاع علی الاجماع الااجماع الصحابۃ حیث کان المجمعون وھم العلماء منھم فی قلۃ الی ان قال ولا سبیل الی ذلک الافی عصر الصحابۃ اما من بعدھم فلا۔

پھر وہ مقام بیان حجیت اجماع میں یہ بھی لکھ گئے ہیں۔ اختلف علی تقدیر امکانہ فی نفسہ وامکان العلم بہ وامکان نقلہ الینا ھل ھو حجۃ شرعیۃ فذھب الجمھور الی کونہ حجۃ وذھب النظام والامامیۃ وبعض الخوارج الی انہ لیس بحجۃ۔ اور چونکہ نواب صاحب مذہب نظام معتزلی اور امامیہ

* ...جمہور حجت ہونے کے قائل ہیں اور نظام اور امامیہ اور بعض خوارج قائل ہیں کہ حجت نہیں۔

وخوارج سے بیزار تھے لہذا صرف ان مبتدعین کے انکار حجیت اجماع
کو ان ہی کی طرف منسوب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکر اجماع شرعی
تھے۔ بالجملہ حجیت اجماع سے منکر نہ امام احمد ہیں اور نہ کوئی اور سنی۔
اسوقت اس سے انکار ہے تو اے ہمارے نوخیز مجتہد اور روحانی فرزند
تم کو ہے وبس۔

نمبر سوم وجود علم ونقل اجماع میں تمنے تقلید اپنے پیشواؤں معتزلہ
اور شیعوں اور خارجیوں کی یہ مشکلات پیش کی ہیں۔ (۱) تمام مجتہدین کا علم کس کو
(۲) پھر وہ سب اہل اجماع کا ایک جگہ بیٹھکر یا ایک کی بات دوسرے
سنکر اتفاق کیسے کریں۔ (۳) ان سب کے اقوال ہمکو کس ذریعے سے پہنچ
سکتے ہیں ہمارے زمانہ کی طرح سلف میں بھی صاحب تصنیف کم تھے۔ اور
غیر مصنف بہت لہذا جن اصحاب کے اقوال ہم تک پہنچے ہیں ان سے کہیں زیادہ
ایسے ہیں جن کے نہیں پہنچے۔ پھر ہم کیونکر باور کر سکتے ہیں کہ جن کے اقوال
ہم تک پہنچے ہیں وہ موصولہ اقوال سے متفق تھے۔

ان مشکلات کو بیان کر کے تمنے کہا ہے کہ انہی مشکلات کی وجہ سے مسلم
الثبوت میں کہا ہے بعض نظامی اور شیعہ کہتے ہیں کہ اجماع کا تحقق محال ہے
اور اگر ہو بھی تو ہمکو اس کا علم حاصل ہونا محال ہے اور اگر علم محال ہو تو ہم تک
اس کا نقل ہونا تو ضرور ہی محال ہے۔

الجواب اس بیان مشکلات میں تمنے صاحب مسلم پر افترا کیا ہے اور
اپنے جاہل اور علماء نافہم مصدقین کو اس دام میں پھنسانا چاہا ہے کہ یہ مشکلات
صاحب مسلم نے پیش کی ہیں جن کا کوئی جواب ہمکو نہیں سوجھا اور کوئی اس کا
جواب کیا دیگا۔ اور واقعہ میں ایسا نہیں ہوا۔ یہ مشکلات تو کتاب مسلم میں معتزلہ و
شیعہ کی طرف سے نقل کیگئی ہیں۔ اور پھر ہر ایک مشکل کا جواب صاحب مسلم
نے کافی وشافی دیکر ان مشکلات کو کالعدم یکلخت کر دیا ہے۔ ہم اس مقام مسلم کی

پوری عبارت بقدر ضرورت مع ترجمہ نقل کر دیتے ہیں۔ تا سیاہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

کتاب مسلّم میں کہا ہے " بعض اتباع نظام معتزلی و شیعہ کہتے ہیں

مسئلہ لبعض النظامیۃ والشیعۃ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال اما الاول فاولاً لان انتشارھم فی الاقطار یمنع نقل الحکم الیھم عادۃ۔ والجواب لا منع فی المتواتر کالکتاب وفی اوائل الاسلام وبعد جدھم فی الطلب والبحث وثانیاً لو کان عن قطعی لنقل والظنی یمنع الاتفاق عادۃ لاختلاف القرائح۔ الجواب بالمنع فیھما فقد یستغنی عن نقل القاطع لحصول الاتفاق۔ والظنی ربما یکون جلیا والاتفاق انما یمنع فیما یدق واما الثانی فلامتناع معرفۃ علماء المشرق والمغرب باعیانھم فضلاً عن اقوالھم مع جواز رجوع البعض قبل قول الآخر ... واما الثالث فلان الآحاد لا تفید والتواتر عن الکل فی کل طبقۃ ممتنع عادۃ ومن ھھنا قال احمد من ادعی الاجماع فھو کاذب والجواب عنھا تشکیک فی الضروری فانا قاطعون

کہ اجماع کا وجود محال ہے۔ اگر ممکن مانا جاوے تو اسکا علم محال ہے۔ علم کو بھی اگر ممکن مان لیا جاوے تو پھر ہم تک اس کا نقل ہونا محال ہے۔ پہلے دعوے اجماع کے محال ہونے پر انکی دلیل پہلی یہ ہے کہ اہل اجماع کا اطراف عالم میں پھیل جانا اس سے مانع ہے کہ جس بات یا حکم پر اجماع ہو وہ ان سب کو پہنچ جاوے اور اسپر سب کا اتفاق ہو اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو امر متواتر ہو جیسے کتاب اللہ ہے انکا سب کو پہنچ جانا منع نہیں کیونکہ قرآن سبھی کو باوجود انکے انتشار کے اطراف عالم میں پہنچ گیا ایسے ہی بہت احکام حلال و حرام اور خاصکر ابتدا اسلام میں (زمانہ صحابہ میں) اور لوگوں کو طلب و تلاش میں کوشش کرنے کے بعد کہ پھر کوئی بھی امر پہنچنا مشکل نہیں رہتا۔ انکی دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک دو کی نقل مفید یقین نہیں ہوتی اور سب کی طرف سے ہر طبقہ میں تواتر سے نقل پایا جانا عادۃً محال ہے۔ اسواسطے امام احمد نے کہا ہے کہ مدعی اجماع

باجماع کل عصر علی تقدیم القاطع علی المظنون حتی صار من ضروریات الدین وقول احمد محمول علی انفراد اطلاع ناقلہ او حدوثہ الآن فانہ احتج بہ فی مواضع۔ ہذا (مسلّم)

کاذب ہے ان دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دونو باتیں کہنا ایک امر بدیہی میں شک لانا ہے ہمکو یقینی علم حاصل ہے کہ ہر زمانہ میں اسپر اجماع ہو چکا ہے کہ یقینی ظنی پر مقدم ہے۔ یہانتک کہ یہ مسئلہ دینمیں ضروری یعنی بدیہی تسلیم کیا گیا ہے!!

پھر مسلم میں اس مسئلہ تقدیم یقینی کو دوسرے مسئلہ میں مدلل کیا ہے۔ مگر عوام ناظرین سے اسکے سمجھنے کی امید کم ہے۔ لہذا اسکے نقل بیان سے تعرض نہیں ہوا۔

اس مقام میں جو بیان ہوا ہے اس سے اسقدر تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ صاحب مسلم نے معتزلہ و شیعہ کے دلائل کا جواب دیکر ان مشکلات کو جو انہوں نے پیش کی تہیں اٹھا دیا ہے۔ اس سے تمہاری اس قول کا۔ کہ صاحب مسلّم نے ان مشکلات کی نظر سے وجود و علم و نقل اجماع کو محال کہا ہے دروغ ہونا ثابت ہوا صاحب مسلّم کے جوابات کو تم مانو۔ خواہ نہ مانو یہ امر دیگر ہے۔

اب ہم اپنی طرف سے تمہاری مشکلات کا جواب دیتے ہیں اور نہایت معتدل اور نرم پیرایہ میں حق تم پر ظاہر کرتے ہیں اگر ٹھنڈے دل سے سنو۔

بہت سے اجماعوں اور جمہوری مسائل (جن کو مقلدین مذاہب بمقابلہ نصوص پیش کرتے ہیں) ہم اہلحدیث خود نہیں مانتے۔ اسکی تمثیل میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایک مدرک امام بحالت رکوع کے مدرک رکعت ہو جانے پر دعوے اجماع دوسرے بلا تفریق اطہار ثلثہ طلاق ثلثہ کے تین ہونے پر انکا دعوے اجماع یا جمہوریت ہم ان دعاوی کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور انکے برخلاف مدت سے فتوی دیتے ہیں۔ مگر بہت سے اجماع ایسے بھی ہیں جن کو بلا خلاف سلف سے خلف تک ماثور و منقول پاتے ہیں۔ اسکی بھی دو ہی مثالیں ہم اس مقام میں پیش کرتے ہیں ایک جواز تقلید خواص بحق عوام جس میں معارضہ نصوص نہو۔ اور نہ تخصیص شخص بخیال

وجوب۔

دوسرا۔ اجماع صحت احادیث صحیحین پر۔ ایسے اجماع ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لوگوں میں منقول و مسلم چلے آتے ہیں پہلا اجماع تو اس مضمون میں ثابت و منقول ہو چکا ہے۔ دوسرا اجماع شرح نخبہ و مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ کتب اصول و شروح احادیث میں جسکی عبارات رسالہ منح الباری میں منقول ہیں۔ ایسے اجماعوں کی نسبت یہ مشکلات پیش کرنا کہ وہ لوگ ایک جگہ جمع ہوکر متفق القول کیونکر ہو گئے ہیں۔ اور اسکا علم ہمکو کیونکر ہوا یا ہو سکتا ہے۔ انہیں مصنف کم تھے اور غیر منصف زیادہ۔ جن کے اقوال ہم کو پہنچے ہیں ان سے ہمیں زیادہ ایسے ہیں جن کے اقوال ہمکو نہیں پہونچے۔ یہ بقول صاحب مسلّم ضروری بدیہی اور یقینی امر میں شک ڈالنا ہے۔

آجکل کوئی کسی دینی امر کا دعوی کرتا ہے اور اسکی نسبت اعلان مشتہر کرتا ہے تو مشرق سے مغرب تک کے لوگ جھٹ جمع ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ہو۔ یا شکاگو میں یا افریقیہ میں یا امریکہ۔ یا یوروپ میں۔ اپنا ہی حال دیکھو۔ آج امرتسر میں ہو تو کل ہندوستان میں۔ پھر اس مجمع کے خیالات متفقہ و مختلفہ دنیا سے اس سرے سے اُس سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ بذریعہ تحریرات بھی اور بذریعہ زبانی خبروں کے بھی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جو وسائل و سامان اجتماع و حصول علم اتفاق و اختلاف (ریلگاڑی تار برقی۔ اخبارات وغیرہ) اب میسر ہیں یہ پہلے زمانوں میں نہ تھے۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی لائق شک نہیں کہ جو اخلاص تقوے و بنائے علیہ شوق و طلب تحقیق مسائل دین پہلے زمانوں میں تھا اسوقت اُس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ و لہذا جو کچھ آجکل کے مدعیان دین و مذہب ان وسائل و سامان کے ساتھ کر رہے ہیں۔ پہلے زمانوں کے وہ اعیان اسلام ان وسائل کے بغیر کرتے تھے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو تابعین اور تابعین کو تبع تابعین وغیرہ ائمہ دین ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ملتے اور ان سے ہم مجلس ہوتے بہت سے مجامع اُن کی معظم اسلامی شہروں میں ہوتی۔ جن میں وہ علمی اور دینی باتیں ایک دوسرے سے سنتے اور سناتے۔

ایک کتاب صحیح بخاری کو امام بخاری سے بلا واسطہ غیر نوے ہزار اشخاص نے سنا ہے (بستان المحدثین صفحہ ۱۰۲ ملاحظہ کرو) تمام اسلامی دنیا کے لیے جمہوری کانفرنس حج کے لیے جو مجمع کعبۃ اللہ میں ہوتا تھا اور اب تک ہوتا ہے۔ اسمیں لاکھوں کا اجتماع انسانی سے ہوجاتا تھا اور ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے اُن کے اقوال متفقہ ومختلفہ اکناف عالم میں پہنچ جاتے تھے اور پہنچ جاتے ہیں۔ ان تمام مسلمانوں کے چشم دید حالات کے مقابلے میں یہ کہنا کہ انکا اجتماع کیسے ہوتا ہوگا اور اُن کے اقوال کا علم اوروں تک کیونکر پہنچے ہونگے۔ (بقول صاحب سلّم) بدیہات میں شک ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے!

یہ ان مسلمانوں کے اجتماع وعلم واقوال کے متعلق تمہاری پیش کردہ مشکلات کا جواب ہے۔ رہا جواب تمہاری اسبات کا کہ جن اصحاب کے اقوال ہم کو پہنچے ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ تھے جن کے نہیں پہنچے۔ پھر ہم کیونکر باور کرسکتے ہیں کہ انکے اقوال اقوال موصولہ سے متفق تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نصوص ہوں خواہ آثار صحابہ واقوال جماعیہ (جو مخالف نصوص نہ ہوں اور وہ ہم کو بسند ونقل صحیح پہنچ چکے ہوں) انہیں سے اُنہی کی اتباع واعتبار ولحاظ سے ہم ماموربہ ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ میں ان امکانی اور وہمی وخیالی وفرضی نصوص واقوال کے (جو اُن کے مخالف ہوں اور وہ ہمکو نقل اور سند صحیح سے نہ پہنچے ہوں) پیروی اور اعتبار ولحاظ سے ہم مامور نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی پیروی سے ہم روکے گئے

ہیں۔ اور ہماری جماعت اہلحدیث میں یہ اصول مقرر ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور سلف اور اہل اجماع کا اتباع جیسا کہ ان کے فعل کے اقتدا میں ہے ویسا ہی ان کے کسی فعل کو ترک کرنے میں ہے۔ ہمارے مذہب واصول اعتقادات میں عدم النقل بھی ویسی ہے لائق اعتبار و لحاظ کے جیسی کہ نقل عدم (صواعق الٰہیہ صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴ دیکھو) اس کی چند مثالیں کتب حدیث میں یہ ہیں۔ (۱) نماز عیدین میں

٭۔ اسکے صفحہ ۲۷۵ میں یہ فرسولی قول نقل کیا ہے "صاحب مایۃ درجواب سوال چہل وہشتم نوشتہ امرے کہ منقول از حضرت صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ نباشد غیر مشروع ست چنانچہ صاحب ہدایہ عدم نقل را از آنحضرت وصحابہ دلیل گرفتہ ہست منہا فی کتاب الصلوٰۃ فی فصل الاوقات النہی تکرہ فیہا الصلوٰۃ قال ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیہا مع حرصہ منہا ما قال فی باب العید لا یتنفل فی المصلے قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علے الصلوٰۃ" ۔ وند عا صاحب مایۃ مسائل ازیں روایات علاقہ ندارد چہ عدم نقل چیزے دیگر و نقل عدم چیزے دیگر" پھر کہا ہے "اقول درنقل عدم و عدم نقل حکماً فرق نیست زیرا کہ عدم اصل ست تا آنکہ دلیل دلالت کند بر وجود وچوں دلیل کہ نقل ست نباشد عدم بر اصل خود باقی ماند پس عدم دلیل بمنزلہ دلیل عدم باشد دریں صورت علاقہ داشتن مدعائے صاحب مایۃ مسائل ازیں روایات خود ظاہر ست در مرقاۃ مرقوم ست ثم قال ای ابن حجر وعدم ورودہ لا یدل علے عدم وقوعہ قلنا ھذا مردود بل الاصل عدم وقوعہ حتی یوجد دلیل ورودہ" بنائً علے الاصل اقوال موصولہ صحیحہ کے مقابلہ میں اقوال غیر منقولہ خیالیہ فرضیہ وہمیہ اسکا نفیہ

سے پہلے رواتب (نوافل) نہ پڑہنا جیسے پانچوں وقت کی نمازوں سے پہلے پڑہے جاتے ہیں (۲) اذان میں تثویب نہ کرنا (۳) میت کو عمامہ نہ پہنانا اور اس کے نظائر کتب فقہ میں بہت ہیں اور از انجملہ چند مثالیں ہدایہ اور بحر الرائق وغیرہ سے کتاب صواعق الہیہ کے صفحہ ۲۵۴ میں نقل کی گئی ہیں۔

ان مثالوں سے تمہاری مجوزہ اقوال وہمی وخیالی وامکانی کا اعتبار کرنا صاف ردّ ہوتا ہے۔ ان مثالوں کو اگر تم نہ مانو اور اس مسلّمہ اصول اہلحدیث سے بھی انکار کر جاؤ۔ تو تمہارے افہام یا افحام کے لیے ایک یہی مثال یا دلیل کافی ہے کہ تم نے ایک جلسے انجمن اہلحدیث لاہور میں بمقام لاہور بمقابلہ تقریر میر ممتاز علی علی مالک رفاہ عام پریس جو عید مولود کی ضرورت میں انہوں نے کی تہی۔ برملا کہا تھا۔ کہ مولود کرنے کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔ جس سے تمہارا مقصود یہی تہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وتابعین وغیرہ سلف صالحین سے یہ مولود کرنا ثابت نہیں ہوا اور یہی ہر ایک بدعت سے تمہارے اور فرقہ اہلحدیث کے انکار کرنے اور ان کے ردّ میں مضامین لکہنے کا اصل اصول ہے۔ حالانکہ امکانی او وہمی اور فرضی وجہ مولود اور ہر ایک بدعت کا صحابہ وتابعین وسلف صالحین سے تجویز کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر تم یا تمہارے جیسا کوئی اور شخص حلبی کا شاگرد نصوص وآثار صحیحہ ثابتہ کے مقابلہ میں ان وہمی وفرضی امکانی اقوال کو واجب یا جائز اللحاظ قرار دے تو دین کا

[illegible] عدم ورود وعدم نقل کے سبب معرض عدم میں ہیں اور پایہ اعتبار سے ساقط اور کالعدم لم تکن فاعتبروا یا اہل الحدیث ولا تغتروا بهذا الاصل الخبیث الذی اصله هذا المعتری الامرتسری۔

کوئی حکم بھی باقی نہیں رہتا ہر ایک حکم شرعی ثابت باجماع امت
کے مقابلہ میں ایک ملحد و بیدین ایسے وہمی وامکانی وخیالی اقوال سے
معارضہ کرسکتا ہے۔ مثلاً آیات احکام نماز و روزہ وغیرہ کے مقابلہ میں وہ
یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان آیات کے مقابلہ میں اور ایسی آیات
ہوں جو نماز روزہ وغیرہ کو منسوخ کر چکی ہوں اور وہ ہمکو نہ پہنچی ہوں
یا وہ بقول ڈاڑھی منڈے فقیروں یا غالی رافضیوں کے قرآن مجید میں
درج نہ ہوئی ہوں۔ یا بعد اندراج نکال دی گئی ہوں۔ ایسا ہی احادیث
صحیحہ متعلق احکام حلال و حرام کے مقابلہ میں وہ کہہ سکتا ہے کہ ان
احادیث کے معارض اور ایسی حدیثیں مروی ہونا ممکن ہے جن میں
ان احکام کا خلاف یا نسخ پایا جاتا ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔
اس صورت میں دین کا بالکل اعتبار نہیں رہتا اور سلسلہ تکلیف
باحکام و مذہب درہم برہم ہو جاتا ہے اسبات کو سوچو اور اُن
امکانی وہمی اقوال کے تجویز سے توبہ کرو۔
یہ تم سے ناصحانہ خطاب ہے۔ اَب میں تمہارے مصدقین رسالہ سے
(خصوصًا ان سے جو تمیں میرے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں) آخری
خطاب اور سوال کرتا ہوں کہ جن باتوں کی وجہ سے تمہارے وکیل
بالخصوص مہتا اور پہلوان امرتسری پر اہلحدیث سے خارج اور فرقہ معتزلہ
میں داخل ہونے کا الزام قائم کیا گیا ہے۔ کیا تم بھی انہی کی باتوں کے
قائل ہو۔ (۱) کیا تم بھی بعض احادیث نبوی کے جو بحسب تصریح و بیان
نبوی مفسر قرآن ہیں مفسر قرآن ہونیکے منکر ہو اور اُن کو قرآن
کے سیاق سباق کے مخالف سمجھتے ہو۔ (۲) اور کیا تم بھی اقوال و آثار صحابہ
تابعین کو جن میں انکا باہم اختلاف نہو صرف متاخرین معتزلہ وغیرہ
کا ان سے مخالف ہو لائق دست آویز نہیں جانتے (۳) اور کیا تم بھی

اجماع شرعی کے منکر ہو اور اقوال صحیحہ و ثابتہ اجماعیہ کے مقابلہ میں فرضی و امکانی اقوال مخالفہ کی تجویز سے اقوال اجماعی کو نا قابل اعتبار سمجھتے ہو (۴) اور کیا تم بھی عوام کے لیئے خواص مجتہدین امت محمدیہ صحابہ تابعین وغیرہ ائمہ کی مطلق تقلید کو نا جائز جانتے اور جو اسکے جواز پر اجماع سلف و خلف کتب اصول وغیرہ میں منقول و مروی اسکو نا قابل اعتبار سمجھتے ہو۔ ان سوالات اربعہ کا جواب اگر بشق نفی دو تو پھر تم سے یہ سوال ہے پھر تم نے اس رسالہ کے تصدیق میں کیوں قلم اٹھایا اور اوراق کو کیوں سیاہ کیا اور اس صورت میں تمہاری دیانت و امانت سے کیا باقی رہا اور تمہارے فتووں اور فیصلوں کا کیا اعتبار رہا۔ اور اگر جواب بشق اثبات دو تو پھر بتاؤ کہ ہمارے تعقبات اور ایگزیمینشنز (امتحانات) کے معائنہ کے بعد بھی تمہارا وہی سابق خیال رہا ہے۔ یا وہ بدل گیا ہے۔ بدل گیا ہے تو اس کا اظہار اور اپنے خیال سابق سے رجوع تم پر واجب ہے۔ فوراً کرو۔ اور ہمارے مضمون کی تائید میں قلم اٹھاؤ تاکہ تدارک مافات سے عمل میں آوے اور وہ پچھلی خطا کا کفارہ ہو جاوے۔ اور اگر وہ خیال نہیں بدلا تو پھر بتاؤ کہ پھر محکمہ ایڈووکیٹ اہلحدیث سے کیوں تم پر مذہب اہلحدیث سے خارج اور مذہب معتزلہ میں داخل ہونے کا حکم نہ لگایا جاوے۔

جس کو اس محکمہ کی خبر نہ ہو وہ اس کا پتہ مولوی ثناء اللہ سے پوچھے یا اسکے رسالے آیات متشابہات کا صفحہ ۵۲ ملاحظہ کرے جسمیں یہ عبارت درج ہے "اس زمانہ کے ایک باخبر اہلحدیث بلکہ ایڈووکیٹ (وکیل) اہلحدیث کی سفارش منظور کریں جن سے ہماری مراد مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ ہیں" (رسالہ آیات متشابہات ص ۵۲)

نصیحت نامہ نمبرہ متعلق اتباع سلف

ناظرین رسالہ خصوصاً اہلحدیث علی الخصوص ارکان مجلس انتظامیہ انجمن اہلحدیث لاہور کی خدمات میں ناصحانہ التماس۔

حضرات جو کچھ مینے ثناء اللہ اور اسکے مصدقین کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے اس سے مقصود صرف احیاء سنت و حمایت اہل سنت ہے نہ کوئی نفسانی غرض یا نفاست واللہ علی ذلک لشہید وکفی باللہ شہیدا۔ آپ لوگوں میں سے جو صاحب میری نکتہ چینی میں کوئی غلطی نکالیں میں نہایت انبساط و ممنونیت کے ساتھ اپنی غلطی اور خطا کو قبول کرنے کیلئے حاضر ہوں اور عام طور پر اپنے نکتہ چینوں سے خطاب کرتا ہوں کہ من لی بالخطا فادعنہ ومن لی بالقبول ولو انجرف ۔ سے

از صحبت دوستے برنجم ٭ کاخلاق بدم حسن نماید ٭ کو دشمن شوخ چشم بیباک تا عیب مرا بمن نماید ٭

میری یہ التماس خاصکر مولوی وحید الزمان صاحب نواب وقار نواز جنگ بہادر سے ہے جنہوں نے اخبار اہلحدیث ۱ صفر مطابق ۱۸ فروری میں اپنا خط چھپوا دیا ہے جسمیں اپنے منصب وقار کے برخلاف صرف ثناء اللہ کے یکطرفہ بیان پر اسکو ڈگری دیدی ہے اور میری نسبت غائبانہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو یہ لازم تھا کہ بعد از مصالحہ و مصافحہ پھر دلمیں کینہ رکھتے اور ضغائن سابقہ کو نمود کرتے کیونکہ بظاہر صفائی اور محبت اور دل میں بغض و عداوت مومن کے شان کے خلاف ہے بلکہ علامت نفاق ہے۔ افسوس مولوی صاحب موصوف کو جوش عداوت و عناد میں آپکے مساعی جمیلہ کا جو بحق اسلام و اہل اسلام کرتے ہیں اونکا یہی خیال نہ رہا۔

اس یکطرفہ ڈگری اور غائبانہ فیصلہ کا اپیل مینے اپنے خط نمبری ۹۳ مورخہ ۲۲ فروری سنہ ۱۹۱۰ء کے ذریعہ مولوی صاحب ہی کی خدمت میں پیش کیا جس میں مینے ثابت کر دیا تھا کہ میری مصالحت و مصافحہ جو ثناء اللہ سے ہوا تھا وہ شرطی تھا۔ ثناء اللہ نے اس شرط کو توڑ کر مصالحت کو فسخ کیا ہے۔ اور جو آپ کے خیالی مساعی بحق اسلام و اہل اسلام ثناء اللہ سے وقوع میں آئے ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو مخالفین اسلام سے بحق اسلام وقوع میں اچکے ہیں۔ مولوی صاحب نے اس خط کے جواب میں دو خط لکھے ہیں مگر ان میں اس کا تدارک مافات عمل میں نہیں آیا۔ اور جو خلاف وقار ان سے یکطرفہ ڈگری ہو گئی ہے اسکی اصلاح انہوں نے نہیں کی۔ اب وہ اس مضمون جواب اتباع سلف کو تانی اور وقار سے ملاحظہ کر کے فرماویں کہ رسالہ اتباع سلف میں جو خیالات اسنے ظاہر کئے ہیں ان خیالات کے ساتھ وہ اہل سنت و اہل حدیث کہلا سکتا ہے کیا اسکے مساعی بحق اسلام حدیث ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر کا مصداق ہیں یا اور کیا وہ ڈاکٹر گاڈفری ہیگنس سے جس نے آنحضرت کی حمایت میں کتاب اپالوجی فار محمد جسکا ترجمہ حمایت اسلام کے نام سے چھپا ہے بڑھ کر ہو سکتا ہے آپنے اس مجمل گذارش کی طرف توجہ نہ کی۔ تو مجبوراً اس اجمال کی تفصیل رسالہ میں کرنی پڑیگی۔

راقم ابو سعید محمد حسین

(اسلامیہ پریس لاہور میں چھپا)